شہر سدوم

شفیق مرزا

معروف سکالر و دانشور جناب شفیق مرزا پہلے قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ سن شعور کو پہنچنے پر قادیانیوں کے اللے تللے، قادیانی رہنماؤں کی جنسی انارکی و اخلاق باختگی کو دیکھا تو قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے لوگوں کی آنکھ کا تارا ہیں۔ قدرت حق نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے۔ عربی، انگریزی، اردو، پنجابی سمیت کئی زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔ ان کے قلب میں درد، سوچ میں گہرائی اور قلم میں روانی ہے۔ ان کا قلم دشمن کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہوتا ہے۔ گھر کے بھیدی ہونے کے ناتے قادیانیت کی عیاشیوں و بدمعاشیوں کی تفصیلات پر مشتمل ایک شہرہ آفاق کتاب ''شہر سدوم'' ترتیب دی ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ مختلف اوقات میں قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آج کل روزنامہ ''جنگ'' سے وابستہ ہیں۔

''کسی شخص یا گروہ کی جنسی انارکی کے واقعات کا تذکرہ یا ان کی اشاعت عام طور پر ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔ ہمیں بھی اصولاً اس سے اتفاق ہے لیکن اس امر کی وضاحت ضروری

سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر خلق خدا کو گمراہ کرے اور ''تقدس'' کی آڑ میں مجبور مریدوں کی عصمتوں کے خون سے ہولی کھیلے، سینکڑوں گھروں کو ویران کر دے، انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقدس افراد کے بارے میں ژاژ خائی کرے تو اسے محض اس بناء پر نظر انداز کر دینا کہ وہ ایک مذہبی دکان کا بااثر مالک ہے، قانوناً، شرعاً، اخلاقاً ہر لحاظ سے نادرست اور ناواجب ہے۔ قرآن مجید نے مظلوم کو نہایت واضح الفاظ میں ظالم کے خلاف آواز حق بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ بقولہ تعالیٰ **لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم** مرزا غلام احمد نے جس زبان میں گل افشانی کی ہے، کوئی بھی مہذب انسان اسے پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور خاص ان کا نشانہ بنے ہیں۔ گو دیگر انبیاء کرام اور صلحاء امت میں سے بھی شاید ہی کوئی فرد ایسا ہوگا جو ان کی ''سلطان القلمی'' کی زد میں نہ آیا ہو۔ مسلمانوں کو ''کنجریوں کی اولاد'' قرار دینا، مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو ''نحس'' اور ''نطفۃ السفہا'' کے نام سے خطاب کرنا، منظرہ مد میں مسلمانوں کے شہرہ آفاق مناظر کو ''بھونکنے والا کتا'' کے الفاظ سے یاد کرنا اور اس نوع کی دیگر بے شمار دشنام طرازیاں ہر سعید فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ کون سی نفسیاتی الجھن ہے، جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص کو ایسے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

مرزا غلام احمد کے بعد ان کے بیٹے مرزا محمود نے اپنے بلند بانگ دعاوی کی آڑ لے کر جن قبیح حرکات کا ارتکاب کیا' ان کی طرف سب سے پہلی انگلی پیر سراج الحق نعمانی نے اٹھائی اور اس ''ابن صالح'' کے کرتوتوں کے بارے میں ایک رقعہ لکھ کر مرزا غلام احمد کی پگڑی میں رکھ دیا، گو پیر کا بیٹا ''مریدوں کی عدالت'' سے شبہ کا فائدہ حاصل کر کے بچ گیا، لیکن اس کے دل میں یہ بات پوری طرح جاگزیں ہوگئی کہ مریدوں کی تطہیر ذہنی ہی کافی نہیں، معاشی جبر کے ساتھ ساتھ ان پر ریاستی جبر کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں تاکہ وہ کبھی سچ بات کہنے کی جرات نہ کر سکیں۔ پیر سراج الحق نعمانی نے اظہار حق کا جو ''جرم'' کیا تھا، اس کی پاداش میں مرزا محمود نے ساری عمر اسے چین نہ لینے دیا اور ہر ممکن طریقہ سے اس پر تشدد کیا۔ اطمینان کامل کے بعد مرزا محمود پھر اپنے دھندے میں مصروف ہوگیا اور اس کی اہرمنی احتیاطوں کے باوجود ہر چند سال کے بعد اس پر بدکاری کے الزامات لگتے رہے۔ مباہلے کی دعوتیں دی جاتی رہیں، مگر وہاں ایک خامشی تھی سب کے جواب میں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، بڑے بڑے مخلص مرید، واقفِ راز ہو کر ایک ہی نوعیت کے الزامات لگا کر علیحدہ ہوتے گئے اور انسانیت سوز بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ تین تین یا پانچ پانچ سال بعد الزامات لگانے والے ایک دوسرے سے قطعاً نا آشنا ہیں مگر

الزامات کی نوعیت ایک ہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مرزا محمود یا اس کے خاندان کے افراد نے کبھی بھی حلف موکد بعذاب اٹھا کر اپنے ''مصلح موعود'' کی پاکیزگی کی قسم نہیں کھائی۔ مرزا محمود کی سیرت کے تذکرہ میں ان کی ازواج اور بعض دیگر رشتہ داروں کا نام بھی آیا ہے۔ ہم ان کے نام حذف کر دیتے کیونکہ وہ ہمارے مخاطب نہیں لیکن اس خیال سے کہ ریکارڈ درست رہے، نیز اس بناء پر کہ وہ بھی اس بدکار اعظم کی شریک جرم ہیں، ہم نے ان کے نام بھی اسی طرح رہنے دیئے ہیں۔ حال ہی میں ہفت روزہ ''نصرت'' کراچی (14 مارچ 1979ء) سے متعلق ایک صحافی خاتون نے خلیفہ جی کی ایک سراپا مہر بیوی سے پوچھا کہ اتنی کمسنی میں آپ کی شادی مرزا محمود ایسے بوڑھے سے کیسے ہوگئی تو انہوں نے جواباً کہا جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور ﷺ سے ہوگئی تھی۔ اس جواب سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس ظلمت کدے کا ہر فرد مقدسین امت پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم سعی کس دیدہ دلیری سے کرتا ہے اور پھر ہمارے بعض اخبار نویس حضرات کس بے خبری سے اسے اچھالتے اور اجالتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ سراپا مہر بیوی وہ ہیں جن کے بارے میں ان کی خلوتوں کے ایک راز دار کا بیان عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے کہ ان کے موئے زہار موجود نہیں ہیں اور ان کی بے رحمی ایک ایسا امر ہے جس سے ہر باخبر قادیانی واقف ہے۔ ایک قادیانی مبلغ نے اپنی اہلیہ کے حوالے سے مولف کو حلفاً بتایا کہ ان صاحبہ نے خود اس پالتو مولوی کی بیوی کو بتایا کہ ''میں بے رحم ہوں''۔ میں ان کا نام بھی لکھ سکتا ہوں مگر اس خیال سے کہ کہیں اس کی گزارہ الاؤنس والی ملازمت ختم نہ ہو جائے، اس سے احتراز کرتا ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں کسی بھی کلینک میں چیک کیا جا سکتا ہے۔ یہ ضیاع کس کشتی کی وجہ سے ہوا تھا، اس کا تحریر میں لانا مناسب نہیں، صرف ان سے اتنی گزارش ہے کہ وہ آئندہ حضرت خاتم الانبیا ﷺ یا کسی اور مقدس ہستی پر الزام تراشی سے باز رہیں ورنہ ساری داستان کھول دی جائے گی اور پھوپھا جی کی کارکردگی الم نشرح ہو جائے گی۔

مرزا محمود احمد کے جنسی عدوان پر جن لوگوں نے موکد بعذاب قسمیں کھائی ہیں یا ان کی زندگی کے اس پہلو سے نقاب سرکائی ہے، ان کا تعلق مخالفین سے نہیں، ایسے مریدوں سے ہے جو قادیانیت کی خاطر سب کچھ تج کر گئے تھے۔ ان میں خود مرزا محمود کے نہایت قریبی عزیز، ہم زلف اور برادران نسبتی تک شامل ہیں اور بالواسطہ شہادتوں میں ان کے پسران اور دختران تک کے بیانات موجود ہیں، جن کی آج تک تردید نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی کی گئی ہے (اس کا سبب اشاعتِ فحش سے اجتناب و گریز نہیں، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ واقعات کی

تصدیق کے لیے اس قدر ثبوت، شہادتیں اور قرائن موجود ہیں، جن کا انکار ناممکن ہے۔

ان الزامات کی صحت، صداقت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان مریدین میں سے جو لوگ انتہائی اخلاص کے ساتھ قادیانیت کو سچا سمجھتے تھے اور مرزا محمود کو خلیفہ برحق مانتے تھے، ان کی رنگین راتوں سے واقف ہو کر نہ صرف قادیانیت سے علیحدہ ہوئے بلکہ خدا کے وجود سے بھی منکر ہو گئے۔ ایک شخص کو پاکبازی کا مجسمہ مان کر اس کو کارِ دگر میں مشغول دیکھ کر جس قسم کا ردعمل ہو سکتا ہے، یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان میں سماعی یقین رکھنے والے لوگ ہی نہیں، عملی تجربہ سے گزرے ہوئے افراد بھی ہیں۔

دوسرا طبقہ مرزا محمود احمد کو تو جولیس سیزر کا ہم مشرب سمجھتا ہے مگر کسی نہ کسی رنگ میں قادیانی عقائد سے چمٹا ہوا ہے۔ آپ اسے ہر دو طبقہ کی عدم واقفیت یا جہالت کہیں، میرے نزدیک دونوں قسم کا ردعمل الزامات کی صحت پر برہان قاطع ہے۔ ماہرین جرمیات کا کہنا ہے کہ Perfect Crime وہ ہوتا ہے جو کبھی Trace نہ ہو سکے، مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدم سے لے کر آج تک ایک بھی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جو اصطلاحاً پرفیکٹ کرائم کہلا سکے کیونکہ جرم ذہن کی Abnormal حالت میں ہوتا ہے، اس لیے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور ہو جاتی ہے، کوئی ایسا Flaw ضرور رہ جاتا ہے، جس سے مجرم کی نشاندہی ہو جاتی ہے مثلاً ایک قاتل نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں چار پانچ مقامات پر پھینک کر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے قتل کے نشانات تک کو مٹا دیا ہے، مگر عملاً وہ اتنے ہی مقامات پر اپنے جرم کے نشانات چھوڑ رہا ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر مرزا محمود کی تقاریر اور بیانات کا جائزہ لیں تو کئی شواہد، ان کے جرائم کی چغلی کھاتے ہیں۔ پیرس میں عریاں رقص دیکھنے کا تذکرہ خود انہوں نے اپنی زبان سے کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

> ''جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں گا۔ قیام انگلستان کے دوران میں، مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے، جو میرے ساتھ تھے، کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں، جہاں یورپین سوسائٹی عریاں نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے، جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے، اسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری

نظر چونکہ کمزور ہے، اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔
تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔
میں نے چودھری صاحب سے کہا، کیا یہ ننگی ہیں؟ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ ننگی
نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر باوجود اس کے ننگی معلوم ہوتی ہیں"۔

("الفضل" 28 جنوری 1924ء)

مکروفریب ایک ایسی چیز ہے کہ انسان زیادہ دیر تک اس پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دانستہ یا نادانستہ ایسی باتیں زبان پر آجاتی ہیں جن سے اصلیت سامنے آجاتی ہے۔ خلیفہ جی نے اپنی ایک شادی کے موقع پر کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خچر پر سوار ہوں اور اس کی تعبیر میں نے یہ کی ہے کہ اس بیوی سے اولاد نہیں ہوگی۔ اب واقعہ یہ ہے کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں اور خلیفہ جی کا یہ "خواب" اس پس منظر میں تھا کہ وہ خاتون جو ہر نسائیت ہی سے محروم ہو چکی تھیں۔ اب مرید اسے بھی اپنے پیر کا کمال سمجھتے ہیں کہ اس کی پیش گوئی کس طرح پوری ہوئی، حالانکہ یہ معاملہ پیش خبری کا نہیں، پیش بینی بلکہ دروں بینی کا ہے۔

خلیفہ جی کے ایک صاحبزادے کی رنگت اور شکل و شباہت سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی صورت ایک ڈرائیور سے ملتی ہے، لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو "کارخاص" کے نمائندوں نے خلیفہ جی کو اطلاع دی، اور انہوں نے انگریز عورتوں کے گھروں میں سیاہ فام بچے پیدا ہونے پر ایک خطبہ دے مارا، حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اس پر ایک طویل مثالوں سے مزین لیکچر دیا جاتا، مگر کہتے ہیں، چور کی داڑھی میں تنکا۔

ایسے ہی وہ اپنی ایک بیوی کی وفات پر پرانی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شادی سے پیشتر جب کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ لڑکی میری زوجیت میں
آئے گی، ایک دن میں گھر میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی
سفید لباس پہنے سمٹی سمٹائی، شرمائی لجائی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی ہے...."

("سیرۃ ام طاہر" شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ، ربوہ)

اب سفید لباس پر نظر پڑ سکتی ہے لیکن سمٹنے سمٹانے، شرمانے لجانے اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے اور چہرے کی کیفیات کا تفصیلی معائنہ کسی نیک چلن انسان کا کام نہیں، ہمیں "رائل فیملی" کے کسی فرد کے بارے میں نیک چلنی کا حسن ظن نہیں کیونکہ اس ماحول میں معجزۂ بچ جانا بھی ممکن نظر نہیں آتا، مگر ہم ان کے بارے میں کف لسان ہی کو پسند کرتے ہیں۔ چونکہ سربراہان

قادیانیت عموماً اور مرزا احمد محمود خصوصاً اس ڈرامے کے خصوصی کردار ہیں' اس لیے ان کے بہروپ کو نوچ پھینکنا اور لوگوں کو گمراہی کی دلدل سے نکالنا انتہائی ضروری ہے، ضمناً قادیان اور ربوہ کی اخلاقی حالت کا ذکر بھی آ گیا ہے، اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو قادیانیت یقیناً شجرۂ خبیثہ ہے۔ لاہور کی سڑکوں پر گھومنے والی سلمیٰ جبشن اور لنک میکلوڈ روڈ پر مقیم حنیفاں اس کی شاہد ہیں۔ قادیانی امت اپنے ''نبی'' کی اتباع میں اپنے ہر مخالف کی بے روزگاری، مصیبت اور موت پر جشن مناتی ہے اور اسے مطلقاً اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ انتہا درجہ کی قساوت قلبی، شقاوت ذہنی اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانی امت پر ایسا عذاب نازل کیا ہے کہ اب ان کا ہر قابل ذکر فرد ایسی رسوا کن بیماری سے مرتا ہے کہ اس میں ہر صاحب بصیرت کے لیے سامان عبرت موجود ہے۔ فالج کی بیماری کو خود مرزا غلام احمد نے ''دکھ کی مار'' اور ''سخت بلا'' ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب قادیانی امت کی گندی ذہنیت کی وجہ سے یہ بیماری اللہ تبارک و تعالیٰ نے سزا کے طور پر قادیانیوں کے لیے کچھ اس طرح مخصوص کر دی ہے کہ ایک واقف حال قادیانی کا کہنا ہے: ''اب تو حال یہ ہے کہ جو شخص فالج سے نہ مرے، وہ قادیانی ہی نہیں''۔ مرزا محمود احمد نے اپنے باوا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اکابر اور جید علماء دین کے وصال پر جشن مسرت منایا اور ان کا یہ دھندا اب تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے گوسالۂ سامری مرزا محمود کو ''فالج کا شکار'' بنا کر دس سال تک رہین بستر و بالش کر دیا اور اس عبرت ناک رنگ میں اس کو اعضا و جوارح اور حافظہ سے محروم کر دیا کہ وہ مجنونوں کی طرح سر ہلاتا رہتا تھا اور اس کی ٹانگیں بید لرزاں کا نظارہ پیش کرتی تھیں، گویا وہ **"لایموت فیھا و لا یحیی"** کی تصویر تھا، مگر قادیانی مذہبی انڈسٹری کے مالکان اس حالت میں بھی الٹا ''اخبار'' اس کے ہاتھ میں پکڑا کر ''زیارت'' کے نام پر مریدوں سے پیسہ بٹورتے رہے اور پھر سات بجے شام مر جانے والے اس ''مصلح موعود'' کی دو بجے شب تک صفائی ہوتی رہی اور ''سرکاری اعلان'' میں اس کی موت کا وقت دو بج کر دس منٹ بتایا گیا اور اس عرصہ میں اس کی الجھی ہوئی داڑھی کو ہائیڈروجن یا کسی اور چیز سے رنگ کر اسے طلائی کلر دیا گیا اور خط بنایا گیا اور غازہ لگا کر اس کے چہرے پر ''نور'' وارد کیا گیا، تاکہ مریدوں پر اس کی ''اولیائی'' ثابت کی جاسکے۔ حیرت ہے کہ جب کوئی مسلمان دنیاوی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے تو قادیانی اس کی بیماری کو ''عذاب الٰہی'' قرار دیتے ہیں لیکن ان کے اپنے اکابر ذلیل موت کا شکار بنتے ہیں تو یہ ''ابتلاء'' بن جاتا ہے اور اس کے لیے دلائل دیتے ہوئے قادیانی تمام وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی تسلیم

نہیں کرتے۔ شاہ فیصلؒ کی شہادت پر قادیانی امت کا خوشی منانا ایک ایسا المناک واقعہ ہے جس پر جس قدر بھی نفرین کی جائے، کم ہے اور سابق وزیر اعظم پاکستان کے پھانسی پانے پر ہفت روزہ ''لاہور'' کا یہ لکھنا کہ اس سے مرزا غلام احمد کی ایک پیشین گوئی پوری ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عہد میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، مسخ شدہ قادیانی ذہنیت کی شہادت ہے۔ حضور ﷺ کے بعد جو جماعت یا فرقہ کسی شخص کو نبی تسلیم کرتا ہے، وہ قرآن وحدیث کی رو سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اسے کوئی شخص بھی مسلمان قرار نہیں دے سکتا اور خدا کے فضل سے تمام امت مسلمہ اب بھی بالاتفاق قادیانیوں کو کافر ہی سمجھتی ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

تقدیس کے بادہ خانے میں

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر انگریزوں کے مظالم کی داستان اس قدر مہیب اور خونچکاں ہے کہ اس کا تصور کرتے ہوئے بھی روح کپکپاتی اور سینہ بریاں ہوتا ہے۔ معاشی طور پر ملت اسلامیہ پہلے ہی پسی ہوئی تھی، سیاسی آزادی کی اس عظیم تحریک نے دم توڑا تو انگریز کی اہرمنی فراست اس نتیجہ پر پہنچی کہ جب تک مسلمانوں سے دینی روح، انقلابی شعور اور جذبۂ جہاد کو محو کر کے انہیں چلتے پھرتے لاشے نہ بنا دیا جائے، اس وقت تک ہمارے سامراجی عزائم تشنۂ تکمیل رہیں گے۔ جاگیردار طبقہ اپنے مفادات کی خاطر پہلے ہی فرنگی حکومت کی مدح و ثناء میں مصروف تھا۔ ''علماء'' کا ایک گروہ بھی قرآن حکیم کی آیات کو من مانے معانی پہنا کر تاج برطانیہ کی حمایت کر کے اپنی چاندی کر رہا تھا مگر انگریز سرکار ان سارے انتظامات سے مطمئن نہ تھی، اس کے نزدیک مسلمانوں کا انقلابی شعور کسی وقت بھی سلطنت برطانیہ کے لیے خطرہ بن سکتا تھا، اس لیے اس نے مسلمانوں کی دینی غیرت، سیاسی بصیرت اور قومی روح پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ایک ایسے خاندان کا انتخاب کیا جو اپنی سفلگی و غداری میں کوئی ثانی نہ رکھتا تھا اور اس کا بڑے سے بڑا فرد بھی سرکار دربار میں کرسی مل جانے کو باعث افتخار سمجھتا تھا۔ اس مکروہ منصوبہ کو انجام تک پہنچانے اور مسلمانوں کی وحدت ملی کو پاش پاش کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب عمل میں لایا گیا، جس نے حضور سرور کائنات ﷺ کی ختم نبوت کو داغ دار کرنے کے لیے (العیاذ باللہ) اپنی بے سروپا تاویلات سے امت مسلمہ میں اس قدر فکری انتشار برپا کیا کہ انگریز کو اپنے گھناؤنے مقاصد کے حصول کے لیے برصغیر میں ایک ایسی جماعت میسر آ گئی جو ''الہامی بنیادوں'' پر غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتی رہی اور آج انگریز کے چلے جانے کے بعد گو اس کی حیثیت متروکہ

داشتہ کی سی رہ گئی ہے، مگر پھر بھی وہ اسرائیل سے تعلقات استوار کر کے، عربوں میں تنسیخ جہاد کا پرچار کر کے، انہیں یہود کی غلامی پر آمادہ کرنے کی مذموم جدوجہد میں مصروف ہو کر وہی فریضہ سرانجام دے رہی ہے جو اس کے آقایانِ ولی نعمت نے اس کے سپرد کیا تھا۔ حضرت سید الانبیاء ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وحدت انسانیت کا جو انٹرنیشنل فکر، ختم نبوت کی شکل میں دیا تھا، قادیانی امت نے اس کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نئی نبوت کا ناٹک رچا کر وحدت ملت اسلامیہ ہی کو سبوتاژ کرنے کی سعی نامسعود شروع کر دی۔ دین سے تلعب کے نتیجے میں اس مسیحیت جدیدہ پر اللہ تعالیٰ کی ایسی پھٹکار نازل ہوئی کہ خود ''نبوت باطلہ کا گھرانہ'' عصمت و عفت کی تمیز سے عاری ہو کر اس طرح معصیت کا ملتجب دوزخ بنا، کہ قریب ترین مریدوں نے اسے ''فحش کا مرکز'' قرار دیا۔ گو یہ درست ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر واضح رنگ میں جنسی عصیان کا تو کوئی الزام نہ لگا مگر اس کو تسلیم کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ ان کی جنسی زندگی ناآسودگی کا شکار رہی۔ اگر محمدی بیگم کے پاجامے منگوا کر سونگھنے والی روایت کے ساتھ ساتھ، اس مظلوم خاتون کے بارہ میں آسمانی نکاح کے تمام ''الہامات'' بھی طاق نسیاں پر رکھ دیئے جائیں اور بڑھاپے میں مولوی حکیم نورالدین کے نسخہ ''زوجام عشق'' کے سہارے پچاس مردوں کی قوت حاصل کر لینے کے دعاوی کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی کو حبالۂ عقد میں لانے اور پھر بوجوہ اس کی غیر معمولی فرمانبرداری کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تو بھی ان کی تحریرات میں ایسے شواہد بکثرت ملتے ہیں جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کی عائلی زندگی خوشگوار نہ تھی اور معاشرتی سطح پر پہلی بیوی کا اپنے شوہر کے گھر میں محض 'پھجے دی ماں' بن کر رہ جانا، بڑا دلدوز واقعہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعاوی کے باوجود مرزا صاحب جب بھی اپنے ناقدین کو جواب دینے پر آمادہ ہوئے، انہوں نے الزامی جوابات کی کمین گاہ پر بیٹھ کر درشت کلامی ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اشارے کنائے میں ہی نہیں، اکثر اوقات واضح الفاظ میں ایسی باتیں کہہ گئے جو ان کے دعاوی کی مناسبت سے ہرگز ان کے شایان شان نہ تھیں، مثلاً ہندوؤں کے خدا کو ناف سے چھ انچ نیچے قرار دینا اور ماسٹر مرلی دھر کے محض یہ کہہ دینے پر کہ آپ تو لاچار اور قرض دار ہیں، انہیں یہ جواب دینا کہ ہمارے ہاں ہندو جاٹوں کا یہ طریق ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنی دختر نیک اختر، نکاح میں دینی ہوتی ہے، تو وہ خفیہ طور پر جا کر اس کے کھاتہ، کھیون اور خسرہ نمبر کا پتہ کرتے ہیں مگر ہمارے تمہارے درمیان تو ایسا کوئی معاملہ نہیں۔ پنجابی میں یہ کہنے کے مترادف ہے ''توں مینوں کڑی تے نہیں دینی''۔ ہم اس جواب کا تجزیہ خود قادیانی حضرات پر چھوڑ دیتے ہیں۔

قادیانی خلافت کی نیلی فلموں میں مرزا محمود احمد ہمیشہ ہی ایک ایسا ہیرو رہا ہے، جس کے ساتھ کسی ولن نے ٹکر لینے کی جسارت نہیں کی۔ ان پر جنسی بے اعتدالی کا سب سے پہلا الزام 1905ء میں لگا اور ان کے والد مرزا غلام احمد نے اس کی تحقیقات کے لیے ایک چار رکنی کمیٹی مقرر کر دی، جس نے الزام ثابت ہو جانے کے باوجود چار گواہوں کا سہارا لے کر شبہ کا فائدہ دے کر ملزم کو بچایا۔ عبدالرب برہم خاں 335 اے پیپلز کالونی فیصل آباد کا حلفیہ بیان ہے کہ اس کمیٹی کے ایک رکن مولوی محمد علی لاہوری سے انہوں نے اس بارہ میں استفسار کیا تو مولوی صاحب نے بتایا کہ الزام تو ثابت ہو چکا تھا مگر ہم نے ملزم کو Benefit of Doubt دے کر چھوڑ دیا۔ 1914ء میں جب گدی نشینی کے لیے جنگ اقتدار چھڑی تو دہلی کی محلاتی سازشوں کے ماہرین نے ایک مذہبی جماعت کی سربراہی کے لیے بائیس سال کے ایک ایسے چھوکرے کو ''منتخب'' کر لیا، جس میں پیر کا بیٹا ہونے کے علاوہ کوئی خصوصیت موجود نہ تھی۔ ایسا برخود غلط اور کندہ ناتراش قسم کا آدمی عمر کے ہیجانی دور میں ایک ایسے منصب پر فائز ہوا جسے بظاہر ایک تقدس حاصل تھا۔ مرزا محمود نے تقدس کے اس کٹہرے کو اپنے لیے پناہ گاہ سمجھتے ہوئے جنسی عصیان کا وہ ہولناک ڈرامہ کھیلا کہ الامان والحفیظ۔

بلوغت سے لے کر مکمل طور پر مفلوج ہو جانے تک ہر چند سال کے وقفہ کے بعد القابات کی رداؤں میں ملفوف اس پیرزادے پر مسلسل بدکاری کے الزامات مخلص مریدوں کی طرف سے لگتے رہے، مباہلہ کی دعوتیں دی جاتی رہیں مگر ذہنی طور پر پورا ملحد و بے دین ہونے کے باوجود اس کو کبھی بھی جرات نہ ہوئی کہ کسی مظلوم مرید کی دعوت مباہلہ پر میدان میں نکلے۔ جب بھی کسی ارادت مند نے واقفِ رازِ دروں ہو کر للکارا تو قادیانی گماشتوں اور معیشت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ملاؤں نے ایک طرف اخبارات وجرائد میں ہاہا کار شروع کر دی اور دوسری طرف اس محرم راز کو بدترین سوشل بائیکاٹ کا نشانہ بنایا گیا اور اسے اقتصادی و معاشری الجھنوں میں مبتلا کرنے پر ہزاروں روپے خرچ کر کے جب کسی قدر کامیابی ہوئی تو اسے اپنے بدمعاش پیر کا ''معجزہ'' قرار دیا گیا۔

کوئی شخص اپنی والدہ پر الزام تراشی کی جرات نہیں کرتا اور اگر خدانخواستہ وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے تو صرف یہ کہہ کر اس کو خاموش کرانے کی کوشش کرتا کہ دیکھو یہ بہت بری بات ہے، مناسب نہیں۔ اس امر کا جائزہ لینا بھی تو ضروری ہے کہ وہ کن المناک حالات سے دو چار ہوا کہ اسے اپنی، اتنی عزیز ہستی کی اصل حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ پیر کی جلوتیں اگر اس کی

خلوتوں سے نالاں ہوں تو مریدوں کا اسی سانچے میں ڈھل جانا، ایک لازمی امر ہے۔ مرزا محمود احمد جب گدی نشین ہوا تو اس نے اپنے باوا کی نبوت کو نعوذ باللہ..... ع

احمد ثانی نے رکھ لی احمد اول کی لاج

کے مقام پر پہنچایا۔ کبھی مسلمانوں کو اہل کتاب کے برابر قرار دیا اور کبھی انہیں ہندوؤں اور سکھوں سے مشابہت دے کر ان کے بچوں تک کے جنازوں کو حرام قرار دے دیا۔ قادیانیت کا غالب عنصر اس دور میں اس نچلے اور متوسط طبقے پر مشتمل تھا جو معاشی طور پر پسماندہ ہونے کی وجہ سے پیش گوئیوں کی فضا میں رہتے ہوئے چین محسوس کرتا تھا اور انگریز سے وفاداری کی قادیانی سند اس کی ملازمت کو محفوظ رکھتی تھی۔ جب نئی نبوت، تکفیر مسلمین اور ان کے جنازوں کا بائیکاٹ، انتہا کو پہنچا تو مذکورہ بالا دونوں طبقوں نے قادیان کی طرف بھاگنا شروع کر دیا کہ وہاں رہائش اختیار کریں کیونکہ جس معاشرہ کو ایک ''نبی'' کے انکار کی بناء پر کافر قرار دے کر وہ علیحدہ ہوئے تھے، وہاں رہنا اب ان کے لیے ناممکن تھا۔ قادیان میں مرزا محمود احمد نے اپنے خاندان کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے مریدوں کے چندے سے خریدی ہوئی زمین کچھ اپنے عزیزوں کے ذریعے نہایت مہنگے داموں فروخت کی مگر رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت اس کا انتقال ان کے نام نہ کروایا گیا۔ اس طرح وہ اپنے معاشرہ سے کٹ کر قادیانیت کے دام میں اس طرح پھنسے کہ

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن!

اپنی سوسائٹی سے علیحدہ ہو کر، اب ایک نئی جگہ پر نئے حالات کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ ہر جائز و ناجائز خوشامد کر کے پیر اور اس کے لواحقین کا قرب حاصل کرتے اور انہوں نے وقت اور حالات کے دباؤ کے ماتحت ایسا ہی کیا۔ مگر پیر نے مجبور مریدوں کی عزتوں پر ڈاکہ ڈال کر سینکڑوں عصمتوں کے آبگینے تار تار کر دیئے اور اگر کوئی بے بس مرید بلبلا اٹھا تو اسے شہر سے نکال دینے اور مقاطعہ کر دینے کی دھمکیاں دے کر خاموش رہنے کی تلقین کی۔ فخر الدین ملتانی ایسے کئی لوگوں کو قتل کروا کر دہشت کی فضا پیدا کی گئی مگر اس تمام یزیدی اہتمام کے باوجود مرزا محمود، اپنی پاکبازی کا ڈھونگ رچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ گاہے ماہے اس دریا سے ایسی موج اٹھتی کہ ''ذریت مبشرہ'' کے بارے میں جملہ ''الہامات'' ''کسوف'' اور ''رویاء'' دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ یوں تو مرزا محمود کی زندگی کا شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جو بدکاری کی غلاظت سے آلودہ نہ ہو اور جس میں اس پر زنا کاری کا الزام نہ لگا ہو، لیکن ذیل میں ہم ان الزامات و بیانات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی گونج اخبارات و رسائل ہی میں نہیں، ملک کی عدالتوں تک میں سنی گئی اور اس کے ساتھ بعض بالکل نئی

روایات بھی درج کرتے ہیں جو آج تک اشاعت پذیر نہیں ہوسکیں۔ قادیانی امت کی جنسی تاریخ پر اس سے پیشتر متعدد کتب آ چکی ہیں، لیکن وہ تقاضائے حالات کے ماتحت، جس رنگ میں پیش کی گئیں، اس کی بہت سی وجوہ تھیں۔ آئندہ سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ ان روایات کو ذرا وضاحت سے پیش کریں اور اس سے پیشتر جو چیزیں اجمال سے بیان ہوئی ہیں، ان کی تفصیل کر دیں کیونکہ اگر اس وقت اس کام کو سرانجام نہ دیا گیا تو آنے والا مورخ، بہت سی معلومات سے محروم ہو جائے گا کیونکہ پرانے لوگوں میں سے جو لوگ صبح گئے یا شام گئے، کی منزل میں ہیں، وہ نہ ان سے مل سکے گا اور نہ ان دل دوز واقعات کو سن سکے گا جو خود ان پر یا ان کی اولاد پر گزرے ہیں۔ یہ سب شہادتیں موکد بعذاب قسموں کے ساتھ دی گئی ہیں اور یہ تمام افراد قادیانی امت کے خواص میں سے تھے۔ ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں مگر چند ایسے بھی ہیں جو اپنی برین واشنگ کی وجہ سے کسی نہ کسی رنگ میں قادیانیت سے وابستہ ہیں۔ مگر وہ قادیانی ''مصلح موعود'' کو پورے یقین، پورے وثوق اور پورے ایمان کے ساتھ جولیس سیزر کا مثیل، راسپوٹین کا بروز اور ہر موڈیس کا ظل کامل سمجھتے ہیں اور ہر عدالت میں اپنی گواہی ریکارڈ کرانے کے لیے تیار ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ یہ بھی خیال کریں کہ برائی کی اشاعت کا طریق مناسب نہیں، ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں کہ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے، جن میں سے بعض کی اپنی عصمت کی ردا چاک ہوئی اور اظہار حق کی پاداش میں ان پر وہ مصائب ٹوٹے کہ اگر وہ دنوں پر وارد ہوتے تو راتیں بن جاتیں۔ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے جنہیں خدا نے بھی یہ حق دے رکھا ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

مباہلہ والوں کی للکار

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور میاں زاہد، حال امرتسر مارکیٹ برانڈرتھ روڈ لاہور کے نام کے ساتھ ''مباہلہ والے'' کا لفظ منتھی ہو کر رہ گیا ہے۔ ان مظلوموں نے 1927ء میں اپنی ہمشیرہ سکینہ بیگم پر مرزا محمود کی دست درازی کے خلاف اس زور سے صدائے احتجاج بلند کی کہ خلافت میں مقیم مذہبی مہنتوں کی روحیں کپکپا اٹھیں۔ قادیانی غنڈوں نے ان کے مکان کو آتش کر دیا اور جناب میاں زاہد کے اپنے بیان کے مطابق اگر مولانا حکیم نور الدین کی اہلیہ محترمہ اُن کو بروقت خبردار نہ کر دیتیں تو وہ سب اسی رات قادیانیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش

کر چکے ہوتے۔ انہوں نے مرزا محمود احمد کے ناقوس خصوصی ''الفضل'' کے کذب و افترا کا جواب دینے کے لیے ''مباہلہ'' نامی اخبار جاری کیا، جس کی پیشانی پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔ ؎

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

یہ مظلوم خاتون قادیانی فرقہ کے صوبائی امیر مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ سرگودھا کی اہلیہ ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر اب بھی ربوہ کے پاپائے ثانی کو بدکردار سمجھتی ہیں۔ یہ سانحہ اس طرح ظہور میں آیا کہ وہ کسی کام کی خاطر ''قصر خلافت'' میں گئیں۔ مرزا محمود نے اپنی گھناؤنی فطرت کے مطابق ان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے واپس آ کر سارا معاملہ اپنے شوہر کے گوش گزار کر دیا۔ مرید خاوند نے اپنی زوجہ پر اعتماد کر کے پیر پر تین حرف بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ثانی کے پاس پہنچا۔ پیر تو، رنگ ماسٹر تھا، اسے مریدوں کو نچانے کا فن خوب آتا تھا، اس نے بڑی ''معصومیت'' سے کہا: مجھے خود اس معاملہ کی سمجھ نہیں آ رہی، سکینہ بیگم بڑی نیک اور پاک باز لڑکی ہے۔ اس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا، آپ کل فلاں وقت تشریف لائیں۔ جب مرزا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر پیر اپنا عیارانہ منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے مرید کے لیے دام بچھاتے ہوئے کہا: میں نے اس معاملہ پر غور کیا ہے، دعا بھی کی ہے۔ ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں، ''مصلح موعود'' ہوں، اس لیے سکینہ بیگم ایک رُوحانی تعلق کی بناء پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس قسم کا جذبہ الفت جب پوری طرح قلب و ذہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انہوں نے فلاں مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلاء و غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ سمجھ لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا محمود نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھا دی کہ دیکھ لو اطباء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے۔ اس پر مرید مطمئن ہو کر گھر واپس آیا تو اہلیہ کے استفسار کرنے پر مرید خاوند نے کہا: ''تم بھی سچ کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی سچ کہتے ہیں''

''ایک احمدی خاتون کا بیان''

مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار ''مباہلہ'' قادیان میں اشاعت پذیر ہوا تھا، گو اس وقت یہ چیلنج بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر ''خلیفہ صاحب'' مباہلہ کے لیے آمادہ

ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی ادنیٰ تامل بھی نہیں ہوگا۔ مگر چونکہ اس گوسالۂ سامری کو مقابل پر نکلنے کی جرات نہ ہوئی، اس لیے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون قادیان کے دکاندار شیخ نور الدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں۔ ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سوداگر آج کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ بیگم تھوڑا عرصہ ہوا، انتقال کر گئی ہیں، اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

''میں میاں صاحب کے متعلق عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں؟ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھیں کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے، جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کیا کرتے تھے اور بہت مخلص احمدی تھے، ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا، جس میں اپنے کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں یہ رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصر خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا، مگر انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں، ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر، اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹخیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں بیٹھی تھی، وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی

انہوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے۔ ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں، انہوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی، مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا"۔

مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات

"جب اس شاطر سیاست کے خفیہ اڈوں پر حکومت چھاپہ مارتی تھی تو یہ اسلحہ اور کاغذات کمال ہوشیاری سے زیر زمین دفن کر دیتا تھا۔ قادیان کی سرزمین میں فسادات کے موقع پر احمدی نوجوانوں اور سابق فوجیوں کے ہاتھوں جو ماڈرن اسلحہ مہیا کیا اور ان کی فوجی گاڑیاں حرکت میں آئیں تو اس پر حکومت کی جانب سے یکدم چھاپہ پڑا، جس کی اطلاع قبل از وقت خلیفہ کو نہ ہو سکی کیونکہ وہاں احمدی سی - آئی - ڈی ناکام رہی لیکن خلیفہ کی اپنی اہرمنی فراست ان کے کام آئی کیونکہ جب پولیس سر پر آ گئی تو اس "مقدس پاکباز مسلم مصلح دوراں" نے اپنی مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات باندھ کر کوٹھی دار السلام (قادیان) بھجوا دیں اور قادیانی فوجیوں نے فوراً اسلحہ زیر زمین کر دیا"۔

مخدرات میدان معصیت میں

"طویل مشاہدے کے بعد یقین ہوا اور پیر پرستی کے برگِ حشیش کا اثر زائل ہوا لیکن سارا ماجرا بیان کرنے کی استعداد مفقود ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کاریاں محیر العقول تھیں، اس لیے ان کی نوعیت اس سیاہ کار کے لیے مدافعت بن گئی۔ کون مان سکتا ہے کہ اس نے محرم اور غیر محرم کی تمیز کو روند کر رکھ دیا تھا اور اس کے لیے وہ اپنی جہنمی محفل میں کہا کرتا تھا کہ

"آدم کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ مجامعت میں حائل نہیں ہو سکتا"۔

العیاذ باللہ۔

جیسا کہ اس تالیف میں ایک جگہ محمد یوسف ناز کا بیان نقل ہوا ہے، وہ اپنی مخدرات کو میدان معصیت میں پیش کرتا اور اس کے تربیت یافتگان ان سے حظ اندوز ہوتے اور خود اس روح فرسا منظر کا تماشا کر کے ابلیسی لذت محسوس کرتے"۔

خلوت سیئہ کے وقت کلام الٰہی کی توہین

"مبینہ طور پر خلوت سیئہ (خلوت صحیحہ ناقل) کے وقت قرآن کریم کو پاس رکھنے والا بھی خدا کی گرفت سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کے عظیم صبر بخشنے کے بعد ہی اس کی سیاہ کاریوں کے وسیع وعریض رقبے کو جاننے والا اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ رکھ سکتا ہے--- جب یہ شخص اپنے باپ کو بھی نہیں بخشتا تو یہ کیا نہ کرتا ہوگا"۔

مولف "فتنہ انکار ختم نبوت" سے ان الفاظ کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے کہا کہ:۔

"مصلح الدین سعدی نے موکد بعذاب قسم کھا کر مجھے بتایا کہ ایک دن، میں مرزا محمود کی ہدایت پر ایک لڑکی کے ساتھ وادعیش دے رہا تھا کہ وہ آیا۔ اس نے لڑکی کے سرینوں کے نیچے سے قرآن پاک نکالا"۔ (استغفراللہ)

آخری فقرہ کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ مولوی فضل دین صاحب نے انہیں بتایا کہ انہیں ان کے بڑے بھائی مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے بتایا تھا کہ مرزا محمود اپنی محفل خاص میں کہا کرتا تھا کہ "حضرت مسیح موعود" بھی یہی کام کرتے تھے۔

تین سہیلیاں، تین کہانیاں

قادیان اور ربوہ میں بے شمار ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں جو مجبور مریدوں کی ارادت اور قادیانی گستاپو کے تشدد کے باعث ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی ہیں اور اس ریاست اندر ریاست کو مذہب کے لبادے میں ہر شرمناک کارروائی کرنے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور حکومت کا قانون، عاجز اور بے بس ہی نہیں، لاوارث اور یتیم ہو جاتا ہے۔ انہی کہانیوں میں سے ایک کہانی غلام رسول پٹھان کی بیٹی کلثوم کی ہے، جس کی نعش تالاب میں پائی گئی۔ اسی لڑکی کلثوم کی سہیلی عابدہ بنت ابو الہاشم خاں بنگالی کو شکار کے بہانے باہر لے جایا گیا اور ترکی ضلع جہلم میں "اتفاقیہ" گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ تیسری سہیلی امت الحفیظ صاحبہ بنت چوہدری غلام حسین صاحب ابھی بقید حیات

ہیں۔ اگر وہ اپنی دو سہیلیوں کے ''اتفاقیہ'' قتل پر روشنی ڈال سکیں تو تاریخ میں ان کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور اس طرح مرزا محمود احمد کی ''کرامات'' میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

''مصلح موعود'' کی کہانی حکیم عبدالوہاب کی زبانی

حکیم عبدالوہاب عمر قادیانی امت کے ''خلیفۂ اوّل'' مولانا نور الدین کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا بچپن اور جوانی ''قصر خلافت'' کے در و دیوار کے سائے میں گزری ہے اور اس آسیب کا سایہ جس پر بھی پڑا ہے، اس نے مشاہدہ پر اکتفا کم ہی کیا ہے، وہ حق الیقین کے تجربے سے گزرا ہے، یہی حال حکیم صاحب کا ہے اگرچہ اس مرتبے میں متعدد دوسرے افراد بھی ان کے شریک ہیں، لیکن انہیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی داستان بھی بغیر کسی لاگ لپٹ کے کہہ سناتے ہیں اور اپنے اوپر قادیانیوں کے معروف طریق کے مطابق تقدس کی جعلی ردانہیں اوڑھتے اور اگر اس اظہار حقیقت میں ان کا کوئی عزیز زد میں آ جائے تو وہ اسے بچانے کی بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرتے، عموماً وہ اپنی آپ بیتی حکایت عن الغیر کے طور پر سناتے ہیں اور گو ان روایات کے مندرجات بتا دیتے ہیں کہ ان کا مرکزی کردار وہ خود ہی ہیں لیکن اگر کوئی پیچھے پڑ کر کریدنا ہی چاہے کہ یہ نوجوان کون تھا، تو وہ بتا دیتے ہیں ''کہ یہ میں ہی تھا''۔ انہوں نے بتایا:

1- ''1924ء میں مرزا محمود بغرض سیر و تفریح کشمیر تشریف لے گئے۔ دریائے جہلم میں پیراکی میں مصروف تھے کہ مرزا محمود نے غوطہ لگا کر ایک سولہ سالہ نوجوان کے منارۂ وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو ان کے دواخانہ کے انچارج جناب اکرم بٹ نے پوچھا: آپ کو کیسے پتہ چلا؟ تو وہ بولے: یہ میں ہی تھا''۔

2- ''قصر خلافت'' قادیان کے گول کمرہ سے ملحق ایک اور کمرہ ہے۔ مرزا محمود احمد نے ایک نوجوان سے کہا: اندر ایک لڑکی ہے، جاؤ اس سے دل بہلاؤ۔ وہ اندر گیا اور اس کے سینے کے اہراموں سے کھیلنا چاہا۔ اس لڑکی نے مزاحمت کی اور وہ نوجوان بے نیل مرام واپس لوٹ آیا۔ مرزا محمود نے اس نوجوان کو کہا: تم بڑے وحشی ہو۔ جواباً کہا گیا کہ اگر جسم کے ان ابھاروں کو نہ چھیڑا جائے تو مزہ کیا خاک ہوگا۔ مرزا محمود نے کہا: لڑکی کی اس مدافعت کا سبب یہ ہے کہ وہ ڈرتی ہے کہ

''اس طرح کہیں اس نشیب و فراز کا تناسب نہ بدل جائے''۔

3- ''ایک دفعہ آپ کی بیگم مریم نے اس نوجوان کو خط لکھا کہ فلاں وقت مسجد مبارک (قادیان) کی چھت سے ملحقہ کمرہ کے پاس آ کر دروازہ کھٹکھٹانا تو میں تمہیں اندر بلا لوں گی۔ دروازہ کھلا تو اس نوجوان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ ریشم میں ملبوس سولہ سنگھار کیے موجود تھیں۔ اس نوجوان نے کبھی کوئی عورت نہ دیکھی تھی، چہ جائیکہ ایسی خوبصورت عورت۔ وہ مبہوت ہو گیا۔ اس نوجوان نے کہا کہ حضور اجازت ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ایسی باتیں پوچھ کر کی جاتی ہیں۔ اس وقت نوجوان نے کچھ نہ کیا کیونکہ اس کے جذبات مشتعل ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ ''گرو جی کچہرے ہی میں نہال ہو جائیں گے'' اس لیے اس وقت کنارہ کرنا ہی بہتر ہے۔ بیگم صاحبہ موصوفہ نے اس خط کی واپسی کا مطالبہ کیا جو اس نوجوان کو لکھا تھا۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تلف کر دیا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد مرزا محمود احمد کے پرائیوٹ سیکرٹری میاں محمد یوسف صاحب اس نوجوان کے پاس آئے، کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس حضور کی بیویوں کے خطوط ہیں اور آپ اس کو چھاپنا چاہتے ہیں۔ اس نوجوان نے جواب دیا: بہت افسوس ہے کہ آپ کو اپنی بیوی پر اعتماد ہوگا اور مجھے بھی اپنی بیوی پر اعتماد ہے، اگر کسی پر اعتماد نہیں تو وہ حضور کی بیویاں ہیں''۔

4- ''مرزا محمود احمد نے اپنی ایک صاحبزادی کو رشد و بلوغت تک پہنچنے سے پیشتر ہی اپنی ہوس رانی کا نشانہ بنا ڈالا۔ وہ بے چاری بے ہوش ہوگئی، جس پر اس کی ماں نے کہا: اتنی جلدی کیا تھی، ایک دو سال ٹھہر جاتے۔ یہ کہیں بھاگی جا رہی تھی یا تمہارے پاس کوئی اور عورت نہ تھی۔''

دواخانہ نور الدین کے انچارج جناب اکرم بٹ کا کہنا ہے کہ میں نے حکیم صاحب سے پوچھا: یہ صاحبزادی کون تھی؟ تو انہوں نے بتایا: ''امتہ الرشید''۔

نوٹ: اس روایت کی مزید وضاحت کے لیے صالح نور کا بیان غور سے پڑھیں، جو اسی کتاب میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملک عزیز الرحمٰن صاحب بحوالہ ڈاکٹر نذیر ریاض اور یوسف ناز

بیان کرتے ہیں کہ جنسی بے راہروی کے ان مظاہر پر جب مرزا محمود سے پوچھا جاتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو وہ کہتا: لوگ بڑے احمق ہیں، ایک باغ لگاتے ہیں، اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ جب وہ پروان چڑھتا ہے اور اسے پھل لگتے ہیں تو کہتے ہیں:

''اسے دوسرا ہی توڑے اور دوسرا ہی کھائے''۔

ربوہ کی معاشی نبوت کا عظیم فراڈ

حکومت کے خلوت خانہ خیال کی نذر

1- صدر انجمن احمدیہ قادیان ایک رجسٹرڈ باڈی ہے۔ تقسیم ملک سے قبل اس انجمن کی جائیداد ملک کے مختلف حصوں میں تھی۔ تقسیم کے بعد ناصر آباد، محمود آباد، شریف آباد، کریم نگر فارم، تھرپارکر سندھ کی زمینیں پاکستان میں آ گئیں تو مرزا محمود نے ربوہ میں ایک ڈمی انجمن ''ظلی صدر انجمن احمدیہ'' قائم کی اور چوہدری عبداللہ خاں برادر چوہدری ظفر اللہ خاں ایسے قادیانیوں کے ذریعے یہ زمین اپنے صاحبزادوں اور انجمن کے نام منتقل کرالی اور مقصد پورا ہوجانے کے بعد یہ ظلی صدر انجمن، مرزا غلام احمد کی ظلی نبوت کی طرح ''اصلی'' بن گئی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان نے وہاں کی تمام جائیداد بھارتی حکومت سے واگذار کروالی اور اسی مقصد کے حصول کے لیے موجودہ خلیفہ مرزا ناصر احمد کے ایک بھائی مرزا وسیم احمد کو وہاں ٹھہرایا گیا، جو آج بھی وہیں مقیم ہے۔

2- جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، قادیان میں سکنی زمین، صدر انجمن احمدیہ لوگوں کو فروخت کرتی تھی مگر وہ خریداروں کے نام رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت رجسٹر نہیں کروائی جاتی تھی، جیسا کہ ربوہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح سرکاری کاغذات میں زمین اصل مالکان کے نام ہی رہتی ہے، حالانکہ وہ اسے فروخت کر کے لاکھوں روپیہ ہضم کر چکے ہوتے ہیں۔ اس عیاری پر پردہ ڈالنے کے لیے خلیفۂ ربوہ نے مہاجرینِ قادیان کو چکمہ دے کر کہ قادیان ''خدا کے رسول کا تخت گاہ'' ہے (نعوذ باللہ) اور انہیں اس بستی میں واپس جانا ہے، انہیں قادیان کے مکانوں کا کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا اور خود چار کروڑ روپے کا بوگس کلیم داخل کر دیا۔ اب اگر مرید بھی کلیم داخل کر دیتے تو حکومت اور مریدوں سے دہرے فراڈ کی قلعی کھل سکتی تھی، اسی لیے مریدوں کو کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا گیا مگر بہت سے شاطر مرید اس عیاری کو سمجھ گئے اور انہوں نے خود بھی بے

پناہ بوگس کلیم داخل کیے اور پھر قادیانی اثر و رسوخ سے منظور کروائے۔
اگر حکومت صرف قادیانیوں کی پاکستان میں جعلی اور بوگس الاٹمنٹوں کی تحقیقات کروائے تو کروڑوں روپے کے فراڈ کا پتہ لگ سکتا ہے اور مولف کتاب ہذا بعض جعلی کلیموں کے نمبر تک حکومت کو مہیا کرنے کا پابند ہے۔

-3 ربوہ کی زمین صدر انجمن احمدیہ کو کراؤن لینڈ ایکٹ کے تحت علامتی قیمت پر دی گئی تھی۔ مرزا محمود نے یہاں بھی قادیان والا کھیل دوبارہ کھیلا اور ٹوکن پرائس پر حاصل کردہ اس زمین کو ہزاروں روپیہ مرلہ کے حساب سے مریدوں کے نام فروخت کیا مگر رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت سب لیز ہولڈرز کے نام زمین منتقل نہ ہونے دی، اس طرح مریدوں کا لاکھوں روپیہ بھی جیب میں ڈالا اور گورنمنٹ کے لاکھوں روپیہ کے ٹیکس بھی ہضم کیے گئے، مریدوں پر الٹا رعب بھی قائم رہا کہ وہ زمین خریدنے کے باجود مالکانہ حقوق سے محروم رہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے ''خاندان نبوت'' کی عیاشیوں اور بدمعاشیوں کے متعلق آواز بلند کی، اسے اپنی ''ریاست'' سے باہر نکال دیا اور قبائلی نظام کے مطابق اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ اب جو مرید ایک ''نبی'' کے انکار کی وجہ سے ساری ملت اسلامیہ کو کافر قرار دے کر علیحدہ ہوئے ہیں، وہ اپنی مخصوص Conditioning اور لایعنی علم الکلام کی وجہ سے واپس امت مسلمہ کے سمندر میں تو نہیں آسکتے، وہ اسی گندے اور متعفن جوہڑ میں رہنے پر مجبور ہیں، اس لیے ایسے مریدوں سے سچائی کی توقع عبث ہے۔

-4 (i) ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے سلسلہ میں سب سے پہلا اور اہم قدم یہ ہے کہ ربوہ کی لیز فوراً ختم کی جائے۔

(ii) ربوہ کو چنیوٹ کے ساتھ شامل کر کے سرکاری دفاتر ربوہ کے اندر منتقل کیے جائیں اور اندرون شہر خالی پڑی ہوئی زمین پر فوراً سرکاری عمارات تعمیر کی جائیں۔ ربوہ میں چند کارخانے قائم کیے جائیں اور اردگرد کے لوگوں کو وہاں معاش کی سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ قادیانی یلغار اور لالچ کا ہدف نہ بن سکیں۔

-5 ربوہ کے تمام تعلیمی اداروں سے قادیانی اساتذہ کو فوراً تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ مسلمان طلبہ کو کفر کی تعلیم دینے کی ناپاک جسارت نہ کر سکیں۔

-6 ربوہ میں بڑا تھانہ قائم کیا جائے اور اس کی عمارت گول بازار کے سامنے ٹیلی فون ایکسچینج

کے ساتھ تعمیر کی جائے۔

7- خدام الاحمدیہ اور دوسری نیم عسکری تنظیموں کو توڑ دیا جائے اور نظارت امور عامہ (شعبہ احتساب) کو ختم کر کے ربوہ کا نام تبدیل کر کے چک ڈھکیاں اس کا پہلا نام رکھ دیا جائے تا کہ قادیانی اپنی دجالیت نہ پھیلا سکیں۔ اگر مندرجہ بالا امور پر عمل نہ کیا گیا تو ربوہ کبھی کھلا شہر نہ بن سکے گا۔ وہاں قادیان سے بدتر غنڈہ گردی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی کیونکہ قادیان میں تو پھر کچھ آبادی ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی تھی مگر یہاں تو اگریز کی معنوی ذریت کے علاوہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔

8- قادیانی ڈاکٹروں، مسلح افواج میں قادیانی افسروں اور سرکاری محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانیوں کے سالانہ اجلاس، ربوہ کے سالانہ میلے پر منعقد ہوتے ہیں، جہاں خلیفہ کو حکومت کے راز منتقل ہوتے ہیں اور ملک کی معیشت پر قادیانی گرفت کو مضبوط کرنے کے پروگرام بنتے ہیں، اس لیے تمام اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانیوں کی چھٹی ضروری ہے تا کہ وہ اپنی اسلام دشمن اور ملک دشمن ذہنی ساخت کے باعث ملک وقوم کو مزید نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب صلاح الدین ناصر کا ازالہ اوہام

جناب صلاح الدین ناصر ایک نہایت معزز فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد خان بہادر ابوالہاشم بنگال میں ڈپٹی ڈائریکٹر مدارس تھے۔ ناصر صاحب پارٹیشن کے بعد پاکستان آ گئے۔ کچھ دیر ربوہ میں بھی مقیم رہے، لیکن جب ان کو خلیفہ جی کی عدیم المثال، جنسی بے راہ روی کا یقینی علم حاصل ہو گیا تو وہ رات کی تاریکی میں والدہ اور ہمشیرگان کو ساتھ لے کر لاہور آ گئے، وہ مرزا محمود کی ننگ انسانیت حرکتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیتے، جب ان کی قادیانیت سے علیحدگی کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو کہنے لگے:

> ''بھئی ہماری قادیانیت سے علیحدگی، لائبریری کے کسی اختلاف کا نتیجہ نہیں، ہم نے تو لیبارٹری میں ٹیسٹ کر کے دیکھا ہے کہ اس مذہبی انڈسٹری میں دین نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہوس اور بوالہوس دو لفظوں کو اکٹھا کر دیں تو قادیانیت وجود میں آ جاتی ہے۔''۔

اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے کہا، جناب اس اجمال سے تو کام نہ چلے گا، کچھ

بتائیں شاید کسی قادیانی کو ہدایت نصیب ہو جائے تو فرمانے لگے:۔

''یوں تو مرزا محمود یعنی ''مودے'' کی بے راہروی کے واقعات طفولیت ہی سے میرے کانوں میں پڑنا شروع ہو گئے تھے اور ہماری ہمشیرہ عابدہ بیگم کا ڈرامائی قتل بھی ان مذہبی سمگلروں کی بدفطرتی اور بدمعاشی کو Expose کرنے کے لیے کافی تھا، مگر ہم حالات کی آہنی گرفت میں اس طرح پھنس چکے تھے کہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے کسی بہت بڑے دھکے کی ضرورت تھی اور جب دھکا بھی لگ گیا تو پھر عقیدت کے طوق وسلاسل اس طرح ٹوٹتے چلے گئے کہ خود مجھے ان کی کمزوری پر حیرت ہوتی تھی۔''

میں نے ہمت کر کے پوچھ لیا، جناب وہ دھکا تھا کیا؟ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ ماضی کے کسی دل دوز واقعہ نے انہیں چرکے لگانے شروع کر دیئے تھے۔ چند سیکنڈ کے بعد کہنے لگے:

''تقسیم برصغیر کے بعد ہم رتن باغ لاہور میں مقیم تھے۔ جمعہ پڑھنے کے لیے گئے تو مرزا محمود نے اعلان کیا کہ جمعہ کے بعد صلاح الدین ناصر مجھے ضرور ملیں۔ جمعہ ختم ہوا تو لوگ مجھے مبارکباد دینے لگے کہ ''حضرت صاحب نے تمہیں یاد فرمایا ہے''۔ میں نے خیال کیا شاید کوئی کام ہوگا، اس لیے میں جلد ہی اس کمرہ کی طرف گیا، جہاں اس دور کا شیطان مجسم مقیم تھا۔ میں کمرہ میں داخل ہوا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مرزا محمود پر شیطنت سوار تھی، اس نے مجھے اپنی ''ہومیوپیتھی'' کا معمول بنانا چاہا۔ میں نے بڑھ کر اس کی داڑھی پکڑلی اور گالی دے کر کہا: ''اگر مجھے یہی کام کرنا ہے تو اپنے کسی ہم عمر سے کرلوں گا، تمہیں شرم نہیں آتی، اگر جماعت کو پتہ لگ گیا تو تم کیا کرو گے''۔ میری یہ بات سن کر مرزا محمود نے بازاری آدمیوں کی طرح قہقہہ لگایا اور کہا: ''داڑھی منڈوا کر پیرس چلا جاؤں گا۔''

یہ دن میرے لیے قادیانیت سے ذہنی وابستگی رکھنے کا آخری دن تھا۔''

جناب صلاح الدین ناصر ''حقیقت پسند پارٹی'' کے پہلے جنرل سیکرٹری رہے ہیں۔ اس دور میں ملک کے گوشے گوشے میں تقاریر کر کے انہوں نے قادیانیت کی حقیقت کو خوب واشگاف کیا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے:

''گجرات کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے مرزا محمود کے متعلق کہا کہ اس کی اخلاقی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ اس پر ایک قادیانی اٹھ

کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اس کی وضاحت کریں۔ میں نے کہا: یہ الفاظ بہت واضح ہیں۔ وہ پھر بولا: کیا اس نے تمہاری شلوار اتاری تھی؟ میں نے جواب دیا: اسی بات کو بیان کرنے سے میں جھجک رہا تھا۔ آپ اپنے خلیفہ کے مزاج شناس ہیں، آپ نے خوب پہچانا ہے، یہی بات تھی۔

جلسہ کے تمام سامعین کھلکھلا کر ہنس پڑے اور وہ صاحب آہستہ سے کھسک گئے۔

میں کہاں آ نکلا

جناب محمد صدیق ثاقب زیروی قادیانی امت کے خوش گلو شاعر ہیں۔ اگر وہ اپنی شاعری کو مرزا غلام احمد کے خاندان کی قصیدہ خوانی کے لیے وقف کر کے تباہ نہ کرتے تو ملک کے اچھے شعراء میں شمار ہوتے۔ سچ کہنے کی پاداش میں وہ ربوائی ریاست کے زیر عتاب رہ چکے ہیں مگر اب چونکہ انہوں نے خوف فساد کی وجہ سے قادیانی امت کے سیاسی و معاشی مفادات کے لیے اپنے آپ کو رہن کر رکھا ہے اور ہفت روزہ ''لاہور'' قادیانی امت کا سیاسی آرگن بن گیا ہے' اس لیے اب ربوہ میں ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر مدارات ہوتی ہے اور ہر طرف سے انہیں ''بشریٰ لکم'' کی نوید ملتی ہے۔ عرصہ ہوا انہوں نے ایک نظم اپنے ''خلیفہ صاحب'' کے بارہ میں لکھی تھی مگر اشاعت کے مرحلہ پر اس پر یہ نوٹ لکھ دیا گیا۔

''ایک پیر خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر''

قارئین غور فرمائیں کہ ''پیر خانقاہ'' اور ربوہ کے مذہبی قبرستان کے احوال میں کیسی مماثلت و مشابہت ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی کی تصویر ہے۔

شورش زہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا

نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آ نکلا

چشم خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے میں کہاں آ نکلا

راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آ نکلا

دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آ نکلا

یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ نکلا

خندہ زن ہے سفلگی اس کی ہر اک سلوٹ میں
یہ جو سربز قبا ہے میں کہاں آ نکلا

دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آ نکلا

عجز سے کھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آ نکلا

یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے میں کہاں آ نکلا

قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آ نکلا

الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آ نکلا

مولوی عبدالستار نیازی اور دیوان سنگھ مفتون

مولانا عبدالستار صاحب نیازی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں' بلکہ خود تعارف ان کا محتاج ہے۔ مذہبی و دینی علوم کے علاوہ سیاسی نشیب و فراز پر جس طرح وہ نظر رکھتے ہیں اور جس جرات اور بے باکی سے باطل کو للکارتے ہیں' یہ انہی کا حصہ ہے۔ مولانا موصوف نے مولف اور امیر الدین صاحب سیمنٹ بلڈنگ تھارئن روڈ لاہور کے سامنے بیان کیا کہ

''ایوب حکومت میں جب دیوان سنگھ مفتون پاکستان آئے تو مجھے ملنے کے لیے بھی تشریف لائے۔ دوران گفتگو انہوں نے بڑی حیرانگی سے کہا: میں عرصہ دراز کے بعد ربوہ میں مرزا محمود سے ملا ہوں' خیال تھا کہ وہ کام کی بات کریں گے مگر میں جتنا عرصہ وہاں بیٹھا رہا' وہ یہی کہتے رہے

کہ فلاں لڑکی سے تعلقات استوار کیے تو اتنا مزہ آیا' فلاں سے کیے تو اتنا!''

مرزا محمود احمد کی ایک بیوی کا خط

دیوان سنگھ مفتون کے نام

حکیم عبدالوہاب عمر بیان کرتے ہیں کہ مرزا محمود خلیفہ ربوہ کی ایک بیوی نے ایک مرتبہ ایڈیٹر ''ریاست'' سردار دیوان سنگھ مفتون کو خط لکھا کہ تم راجوں مہاراجوں کے خلاف لکھتے ہو' ہمیں بھی اس ظالم کے تشدد سے نجات دلاؤ جو ہمیں بدکاری پر مجبور کرتا ہے۔ ایڈیٹر مذکور نے ظفر اللہ خاں وغیرہ قادیانیوں سے تعلق کی وجہ سے کوئی جرات مندانہ اقدام تو نہ کیا' البتہ ''ریاست'' میں خلیفہ جی کی معزولی کے بارہ میں ایک نوٹ تحریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جس شخص پر اہل خانہ تک جنسی بے راہروی کے الزامات لگا رہے ہوں' اُسے اس قسم کے عہدہ سے چمٹا رہنا سخت ناعاقبت اندیشانہ فعل ہے۔ قادیانی ''رائل پارک فیملی'' کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ بیوی مولوی نورالدین جانشین اول جماعت قادیان کی صاحبزادی امتہ الحی بیگم تھیں۔

راجہ بشیر احمد رازی کی تجرباتی داستان

راجہ بشیر احمد رازی حال مشن روڈ بالمقابل ناز سینما لاہور' راجہ علی محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں' جو ایک عرصہ جماعت ہائے احمدیہ گجرات کے امیر رہے۔ 1945ء میں زندگی وقف کرنے کے بعد ربوہ چلے گئے اور صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں نائب آڈیٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اسی دوران ان کے تعلقات شیخ نور الحق ''احمدیہ سنڈیکیٹ'' اور ڈاکٹر نذیر احمد ریاض سے ہو گئے جو مرزا محمود احمد کی خلوتوں سے پوری طرح آشنا تھے۔ راجہ صاحب ایک قادیانی گھرانے میں پلے تھے' اس لیے متعدد مرتبہ سننے کے باوجود انہیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ ''قصر خلافت'' میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر نذیر ریاض صاحب سے کہا کہ ''میں تو اس وقت تک تمہاری باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں' جب تک خود اس ساری صورت حل کو دیکھ نہ لوں۔'' ڈاکٹر صاحب مذکور نے ان سے پختہ عہد لینے کے بعد ان کو بتایا کہ محاسب کا گھڑیال ہمارے لیے سٹینڈرڈ ٹائم کی حیثیت رکھتا ہے' جب اس پر 9 بجیں تو آ جانا۔ مقررہ وقت پر راجہ صاحب ڈاکٹر نذیر کی معیت میں ''قصر خلافت'' پہنچے تو خلاف توقع دروازہ کھلا تھا۔ راجہ صاحب کچھ ٹھٹکے کہ یہ کیا معاملہ ہے' کہیں ڈاکٹر سچ ہی نہ کہہ رہا ہو' پھر انہیں یہ بھی خیال آیا کہ کہیں انہیں قتل کروانے یا

پٹوانے کا تو کوئی پروگرام نہیں' مگر انہوں نے حوصلہ نہ چھوڑا اور ڈاکٹر نذیر کے پیچھے زینے طے کرتے گئے۔ جب اوپر پہنچے تو ڈاکٹر نے انہیں ایک کمرہ میں جانے کا اشارہ کیا اور خود کسی اور کمرہ میں چلے گئے۔ راجہ صاحب نے پردہ ہٹا کر دروازے کے اندر قدم رکھا تو عطر کی لپٹوں نے انہیں مسحور کر دیا اور انہوں نے دیکھا کہ چھوٹی مریم آراستہ و پیراستہ بیٹھی ہے اور انگریزی کے ایک مشہور جنسی ناول ''فینسی ہل'' کا مطالعہ کر رہی ہے۔ راجہ صاحب کہتے ہیں کہ

''یہ منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میری سوچ کے دھاروں میں تلاطم برپا ہو گیا۔ میں نے چشم تصور سے اپنے والد محترم کو دیکھا اور کہا تم اس کام کے لیے چندہ دیتے رہے ہو' پھر مجھے اپنی والدہ محترمہ کا خیال آیا جو انڈے بیچ کر بھی چندہ کے طور پر ربوہ بھجوا دیا کرتی تھیں' اسی حالت میں آگے بڑھا اور پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہاں تو دعوت عام تھی' مگر میں سعی لاحاصل میں مصروف تھا اور مجھے ڈاکٹر اقبال کا یہ مصرعہ یاد آ رہا تھا ع

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

اصل میں مجھے اس قدر Shock ہوا تھا کہ میں کسی قابل ہی نہ رہا تھا' اس لیے میں نے بہانہ کیا کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ مجھے یہ فریضہ سرانجام دینا ہے اور اگر شکم سیری کی حالت میں' میں یہ کام کروں تو مجھے اپنڈیکس کی تکلیف ہو جاتی ہے' اس طرح معرکۂ اولیٰ میں ناکام واپس لوٹا اور آتے ہوئے مریم نے مجھے کہا: ''کل اکیلے ہی آ جانا' یہ ڈاکٹر نذیر بڑا بدنام آدمی ہے' اس کے ساتھ نہ آنا''۔ دوسرے دن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تمہاری شکایت ہوئی ہے کہ ''یہ کون ہیجڑہ سا لے آئے تھے''۔ دوسرے دن میں ذہنی طور پر تیار ہو کر گیا اور گزشتہ شکایت کا ہی ازالہ نہ ہوا' میرے اعتقادات' نظریات اور خلیفہ جی اور ان کے خاندان کے بارہ میں میرا مریدانہ حسن ظن بھی حقائق کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور میں نے واپس آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ ازاں بعد مجھے رشوت کے طور پر لنڈن بھیجنے کی پیشکش ہوئی' مگر میں نے سب چیزوں پر لات مار دی۔''

اب آپ ''کمالاتِ محمدیہ'' ص 55 سے ان کی تحریر کا متعلقہ حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم ربوہ کے کچے کوارٹروں میں' خلیفہ صاحب ربوہ کے کچے ''قصر خلافت'' کے سامنے رہائش پذیر تھے۔ قرب مکانی کے سبب شیخ نور الحق ''احمدیہ سنڈیکیٹ'' سے راہ و رسم بڑھی تو انہوں

نے خلیفہ صاحب کی زندگی کے ایسے مشاغل کا تذکرہ کیا' جن کی روشنی میں ہمارا وقف کار احتقاں نظر آنے لگا۔ اتنے بڑے دعوے کے لیے شیخ صاحب کی روایت کافی نہ تھی۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر نذیر احمد ریاض صاحب کا' جن کی ہمرکابی میں مجھے خلیفہ صاحب کے ایک ذیلی عشرت کدہ میں چند ایسی ساعتیں گزارنے کا موقع ہاتھ آیا' جس کے بعد میرے لیے خلیفہ صاحب ربوہ کی پاک دامنی کی کوئی سی بھی تاویل وتعریف کافی نہ تھی اور اب میں بفضل ایزدی علیٰ وجہ البصیرت خلیفہ صاحب ربوہ کی بداعمالیوں پر شاہد ناطق ہو گیا ہوں۔ میں صاحب تجربہ ہوں کہ یہ سب بداعمالیاں ایک سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہیں اور ان میں اتفاق اور بھول کا دخل نہیں۔ محاسب کا گھڑیال (نوٹ: محاسب کے گھڑیال سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو رات نو بجے کا وقت' عشرت کدے کے لیے دیا گیا ہے تو اس کی گھڑی میں بے شک 9 بج چکے ہوں' جب تک محاسب کا گھڑیال 9 نہ بجائے' اس وقت تک وہ شخص اندر نہیں آ سکتا) ان رنگین مجالس کے لیے سٹینڈرڈ ٹائم (Standard Time) کی حیثیت رکھتا تھا' اب نہ جانے کونسا طریقہ رائج ہے۔ میرے اس بیان کو اگر کوئی صاحب چیلنج کریں تو میں حلف موکد بعذاب اٹھانے کو تیار ہوں۔'' والسلام

(بشیر رازی سابق نائب آڈیٹر' صدر انجمن احمدیہ' ربوہ)

یوسف ناز ''بارگاہ نیاز'' میں

''ایک مرتبہ' جبکہ میاں صاحب چاقو لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے تھے' اس کے چند دن بعد مجھے ربوہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے سامنے مرزا صاحب کے مریدان باصفا کا ایک جم غفیر ہے۔ ہر شخص کے چہرے پر اضطراب کی جھلکیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے پیر کے دیدار کی ایک معمولی سی جھلک ان کے دل ناصبور کو اطمینان بخش دے گی۔

پرائیوٹ سیکرٹری کے حکم کے مطابق کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی تھیں' یعنی ہر شخص کی الگ الگ چار جگہوں پر جامہ تلاشی لی جاتی تھی اور اس امر کی تاکید کی جاتی تھی کہ ''حضرت اقدس

کے قریب پہنچ کر نہایت آہستگی سے السلام علیکم کہا جائے اور پھر یہ کہ اس کے جواب کا منتظر نہ رہا جائے بلکہ فوراً دوسرے دروازے سے نکل کر باہر آ جایا جائے۔ میں خود ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ گراں بندشوں نے کچھ آزردہ سا کر دیا اور میں واپس چلا گیا۔ چنانچہ پھر دو بجے بعد از دوپہر دوبارہ حاضر ہوا۔ شیخ نور الحق صاحب' جو ان کے ذاتی دفتر کا ایک رکن ہے' اس سے اطلاع کے لئے کہا۔ ''حضرت اقدس'' نے خاکسار کو شرف باریابی بخشا۔ اس وقت کی گفتگو جو ایک مرید (میرے) اور ایک پیر (مرزا صاحب) کے درمیان تھی' ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

میں نے نہایت بے تکلفی سے کام لیتے ہوئے حضور سے دریافت کیا کہ ''آج کل تو آپ سے ملنا بھی کارے دارد ہے''۔

فرمایا: ''وہ کیسے؟''

عرض کیا کہ ''چار چار جگہ جامہ تلاشی لی جاتی ہے تب جا کر آپ تک رسائی ہوتی ہے۔''

جواباً انہوں نے میرے ''عمود لحمی'' کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ

''جامہ تلاشی کہاں ہوئی ہے کہ جس مخصوص ہتھیار سے تمہیں کام لینا ہے وہ تو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اپنے ساتھ اندر لے آئے ہو''۔

اس حاضر جوابی کا بھلا میرے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا۔ میں خاموش ہو گیا مگر ایک بات جو میرے لیے معمہ بن گئی' وہ یہ تھی کہ سنا تو یہ تھا کہ چارپائی سے ہل نہیں سکتے' حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے مگر وہ میرے سامنے اس طرح کھڑے تھے جیسے انہیں قطعی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

میں میاں صاحب کی خدمت میں التماس کروں گا کہ اگر وہ اس بات کو جھٹلانے کی ہمت رکھتے ہیں تو حلف موکد بعذاب اٹھائیں اور میں بھی اٹھاتا ہوں۔''

ایم یوسف ناز' کراچی
حال مقیم لاہور

(یہاں عبارت کی عریانی دور کرنے کی سعی کی گئی ہے)

قادیانی امت کے نام نہاد ''خالد بن ولید''

قادیانی امت نے اپنے متنبی کی اتباع میں وحدت امت کو ملیامیٹ کرنے اور مسلمانوں میں فکری انتشار پیدا کرنے کے لیے اسلامی اصطلاحات کا جس بے دردی سے استعمال کیا اور ان

مقدس ناموں کی جس قدر توہین کی ہے' ایک عامی تو درکنار' اچھے بھلے تعلیم یافتہ افراد کو بھی اس سے پوری شناسائی نہیں۔ مرزا غلام احمد کے لیے نبی اور رسول کا استعمال تو عام ہے۔ ان کی اہلیہ کے لیے ''ام المومنین''۔ جانشینوں کے لیے ''خلیفہ''۔ ان کے اولین پیروؤں کو ''صحابہ'' اور ''رضی اللہ عنہم'' کا خطاب ہی نہیں دیا' بلکہ انہیں بمراحل اصحاب نبی ﷺ سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ ع..... ''صحابہ سے ملا جو مجھ کو پایا'' کہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ایک قرآنی آیت یاتی من بعدی اسمہ احمد کی لایعنی تاویلات کر کے اسے بانی جماعت پر چسپاں کیا جاتا ہے اور دوسری آیت کی غلط توجیہ کرتے ہوئے موسس قادیانیت کی ''بعثت'' کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ثانیہ قرار دے کر اس کے ماننے والوں کو صحابہ سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت کی توہین ہر قادیانی اس طرح کر جاتا ہے کہ سلب ایمان کی وجہ سے اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا ناپاک حرکت کر رہا ہے۔ حیرت ہے کہ آئین مملکت کے بارہ میں ژاژ خائی کرنے پر تو قانون حرکت میں آ جاتا ہے' مگر قرآن مجید' حضرت خاتم النبیین' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقدس اسلامی اصطلاحات کے متعلق قادیانی امت کی دیدہ دلیری پر سرکاری مشینری کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

اگر پوری تفصیل درج کی جائے تو بجائے خود اُسی کی ایک کتاب بنتی ہے' اسی بے راہروی میں قادیانی امت کے پوپ دوم نے ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی' مولوی اللہ دتہ جالندھری اور مولوی جلال الدین شمس کو ''خالد بن ولید'' کا خطاب دیا تھا کیونکہ ان ہر سہ افراد نے سب کچھ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے' افترا پردازی کرنے اور قادیانیت کی حمایت اور خلیفہ کی ''پاکبازی'' ثابت کرنے میں سب قوتیں ضائع کیں۔ گو یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر اسی گوسالۂ سامری کی جانب سے ذلیل ترین الفاظ کا تحفہ ملا۔ کوئی ''طاعونی چوہا'' کہلایا اور کوئی ''لندن میں رہنے کے باوجود مولوی کا مولوی ہی رہا''۔

ان خطاب یافتہ پالتو مولویوں میں سے ایک کے متعلق اس کے سگے بھائی نے اپنی کتاب ''ربوہ کا مذہبی آمر'' میں لکھا ہے کہ ''وہ فن اغلامیات میں یدطولیٰ رکھتے تھے''۔ دوسرے صاحب اپنی گوناگوں ''صفات'' کی وجہ سے ''رحمت منزل'' گجرات کے اطفال و بنات سے ایسے گہرے مراسم رکھتے تھے کہ امیر ضلع تلاش کرتے رہتے تھے مگر وہ اچانک بلڈ پریشر کے دورہ کے باعث غائب ہو کر اسی مقام پر جا پہنچا کرتے تھے۔ تیسرے صاحب کی ''مساعی جمیلہ'' بھی کسی سے کم نہیں۔

مرزا غلام احمد کو آنحضرت ﷺ کے مد مقابل کھڑا کر کے قادیانیوں کے دل میں بڑے ارمان مچل رہے تھے مگر ''افسوس'' کہ وہ پورے نہ ہو سکے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو صاحب کتاب نبی بنانے کے لیے اس کے اضغاث و اعلام کو مجموعۂ الہامات قرار دے کر اس کا نام ''تذکرہ'' رکھا۔ حضور ﷺ کی احادیث کے طرز پر مرزا غلام احمد کے ''ملفوظات'' اکٹھے کر کے ''سیرت المہدی'' کے نام سے شائع کیے' جس میں ہر بات ''بیان کی مجھ سے فلاں نے'' یعنی حدیث فلاں بن فلاں سے شروع ہوتی ہے اور مرزا غلام احمد کے سالے مرزا محمد اسماعیل نے رسالہ ''درود شریف'' میں یہ درود درج کیا:

اللھم صلی علی محمد واحمد وعلی اٰلِ محمد واٰلِ احمد...الخ

اللھم بارک علی محمد و احمد کما بارکت علی اٰلِ محمد واٰلِ احمد ..... الخ

قادیانی جھوٹ بولنے میں بڑے ماہر ہیں۔ قومی اسمبلی کی کارروائی کے دوران جب اس کتاب کی فوٹو سٹیٹ ضیاء الاسلام پریس قادیان کی پرنٹ لائن کے ساتھ مرزا ناصر کے سامنے پیش کی گئی تو وہ چکرا گیا اور علمائے کرام کی ان کے گھر سے معمولی واقفیت کی بناء پر انہیں یہ کہہ کر ٹرخا دیا کہ کسی غیر احمدی نے چھاپ دیا ہوگا' حالانکہ یہ تحریر ان کے آنجہانی دادا کے ''سالا صاحب'' کی ہے اور جن لوگوں کو قادیان اور ربوہ کے مکروہ ترین آمرانہ نظام سے واقفیت ہے' وہ جانتے ہیں کہ ان کے پریس میں کسی مسلمان کی کوئی تحریر چھپ جانا ناممکنات میں سے ہے۔ اگر مرزا طاہر احمد اور ان کی امت توبہ کر کے امت مسلمہ کے سیل رواں میں شامل ہونے کا برملا اعلان کرے تو میں یہ اصل کتاب کسی بھی عدالت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ قرآن کریم نے مسجد ضرار کے گرائے جانے کی وجہ تفریقاً بین المومنین کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ قادیانی نہ صرف تفرقہ کا موجب بن رہے ہیں' بلکہ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں التباس پیدا کر رہے ہیں' اس لیے ان کی عبادت گاہوں کی شکل تبدیل کرنا' ان سے کلمہ کو مٹانا' درحقیقت مسجد ضرار کے گرائے جانے کی مانند تفرقہ اور التباس کی سازش کو ختم کرنا ہے۔

رحمت اللہ اروپی کا کشتہ

رحمت اللہ اروپی گوجرانوالہ کے ایک مضافاتی قصبہ اروپ کے رہنے والے ہیں۔ کافی عرصہ ہوا' ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندہ ہیں یا قید

حیات سے آزاد ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگر وہ زندہ ہیں تو خدا انہیں صحت و عافیت دے کہ انہوں نے قادیانی امت مجہولہ کی طرح مرزا غلام احمد کو امتی اور نبی' ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی' غیر تشریعی نبی' لغوی معنوں میں نبی اور ظلی اور بروزی نبی کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھایا۔ بلکہ مرد میدان بن کر صاف کہا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو صاحب شریعت نبی تسلیم کرتے ہیں۔

1974ء میں جب قادیانی امت کو چوہڑوں' چماروں' پارسیوں اور ہندوؤں کی صف میں شامل کر کے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تو انہوں نے اپنا یہ موقف حکومت کو پیش کیا کہ وہ اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ غیر مسلم ہیں لیکن وہ مرزا غلام احمد کو تشریعی نبی ماننے سے انکار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اوائل جوانی میں جب وہ اپنے والد کے ساتھ قادیان میں تھے تو انہیں قائد خدام الاحمدیہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا اور ان ایام میں وہ لوائے احمدیت کو پکڑ کر قصر خلافت کے ہر حصے میں آزادانہ آتے جاتے تھے۔ انہی ایام میں اپنے اخلاص کے اظہار کے لیے ہر سہ پہر کو وہ ایک ایسے چوزے کو جو ابھی اذان نہیں دیتا تھا' ذبح کر کے اور اس کے پیٹ میں ایک کشمیری سیب کو چھید کر رکھ کر پاؤ بھر گھی اور ایک چھٹانک گری' بادام اور کشمش میں ہلکی آنچ پر پکا کر اس کا سوپ حضرت صاحب (مرزا محمود احمد) کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار اس کے ساتھ بیسن کی گھی میں تر بتر تندوری روٹی بھی انہیں بھجوایا کرتے تھے۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا کہ ایسی مرغن اور مقوی غذائیں کھانے والا سرکاری سانڈ پھر کوئی اپنی یا بیگانی کھیتی ویران کیے بغیر رہ سکے گا؟ تو وہ دھیمے سے مسکرا کر کہنے لگے کہ جب مجھے اس خدمت کے نتائج کا علم ہوا تو اس وقت تک کئی گھر اجڑ چکے تھے اور میرے ہاتھ میں صرف خدام الاحمدیہ کا ڈنڈا ہی باقی رہ گیا تھا اور میں یہ سوچنے لگ پڑا تھا کہ جب انسان کے پاس دنیاوی وسائل کی فراوانی ہو' نو عمر لڑکیوں اور لڑکوں سے میل جول کے مواقع بھی پوری طرح میسر ہوں' اندھی عقیدت سے مخمور مرید اپنے پیر کے متعلق کوئی بچی سے بچی بات سننے سے بھی انکاری ہوں تو ایسا پیر اگر بدمعاشی نہ کرے تو پھر شاید اس سے بڑا بدمعاش اور کوئی نہ ہوگا اور اسی سے روکنے کے لیے اسلام نے تہمت کے مواقع سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے۔

میں نے ایک بہت پرانے قادیانی سے' جو مرزا غلام احمد سے لے کر مرزا طاہر احمد تک کے جملہ حالات سے واقف ہیں اور سال خوردگی کی انتہائی سٹیج پر ہونے کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے' اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے مرزا صاحب (مراد مرزا غلام احمد) نے بھی بڑھاپے میں

"ہر چہ باید تو عروسے را ہمہ ساماں کنم
واں چہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

کے تحت ایک نوجوان لڑکی سے شادی رچا کر اسے اللہ رکھی سے نصرت جہاں بیگم بنا دیا تھا لیکن فطرت کی تعزیروں نے وہاں بھی اپنا کام دکھایا اور پھر ان کی اولاد نے جو کچھ کیا اور جنسی عصیان میں جس مقام تک پہنچی' یہ کام کشتوں کی اولاد ہی کرتی ہے۔ نارمل اولاد یہ کام نہیں کر سکتی' کیونکہ کشتوں کے پشتے لگا دینا اس کا کام ہی نہیں۔

پچ کی تیاری ..... بیٹنگ اور باؤلنگ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مرزا ناصر احمد آنجہانی نے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی ایک ایسی طالبہ کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تھا' جس پر ان کے صاحبزادے مرزا لقمان احمد نے ڈورے ڈالے ہوئے تھے۔ انہی ایام میں قادیانی حلقوں میں یہ بھی سننے میں آیا کہ مرزا ناصر احمد اور مرزا لقمان میں شدید شکر رنجی ہی نہیں بلکہ باقاعدہ مخاصمت کا آغاز ہو گیا ہے۔ میں نے ایک پرانے قادیانی خاندان کے کسی قدر مضطرب ایک فرد وائی ایم سی اے کارنر (دی مال لاہور) پر چائے کی دکان کے مالک انیس احمد سے پوچھا کہ ان خبروں میں کس حد تک صداقت موجود ہے تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ ایسا ہونا تو لازمی تھا۔ کیونکہ کرکٹ پچ کی تیاری تو بیٹے نے کی تھی مگر والد صاحب نے اس پر بیٹنگ اور باؤلنگ شروع کر دی اور پھر وہی ہوا جو ایسے معاملات میں ہوا کرتا ہے کہ چڑھتی دھوپ اور ڈھلتی چھاؤں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ شروع ہو گئی۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے ازکار رفتہ اعضاء میں جوانی کی امنگیں بھرنے کے لیے تمام جدید وسائل علاج میسر ہونے کے باوجود کشتے کا استعمال شروع کیا' جو راس نہ آیا اور اس کا جسم پھول کر کپا بن گیا اور وہ آناً فاناً اللہ تعالیٰ کی عبرتناک گرفت میں آ کر کشتے کی آگ میں جھلسنے کے بعد نارِ جہنم کا ایندھن بننے کے لیے عدم آباد سدھار گیا۔

ہمارے ایک قادیانی دوست نے مرزا ناصر احمد کی اس شہادت پر انہیں شہید فرج کا خطاب دیا ہے اور ان کا اصل خط بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ بعد میں ایک مشترکہ دوست کے ذریعے میں نے انہیں یہ پیغام بھیجا کہ اس خطاب کو تراشنے کے لیے آپ نے بلاوجہ زحمت کی۔ فیروز اللغات میں اس کے لیے چوتیا شہید کا محاورہ پہلے سے موجود ہے تو انہوں نے ہنستے ہوئے جواباً کہا کہ لغوی اعتبار سے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ خاندان جنس کے طوفان میں جس طرح

غرقاب ہے اس کے لیے لغت بھی نئی ہی کائن Coin کرنی پڑے گی۔

آلہ واردات

ملک عزیز الرحمٰن ۸۔اے عزیز ولا کرشن نگر لاہور میرے قریبی عزیز ہیں اور اپنی مخصوص ذہنی تطہیر کے باعث وہ ابھی تک مرزا غلام احمد کو مسیح موعود' مہدی موعود اور مجدد وقت تسلیم کرتے ہیں اور ہر وقت اس کا پرچار کرتے رہنے کو ہی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ان کا کسی قدر مزید تعارف کرا دوں۔ یہ احمدیہ پاکٹ بک کے مصنف ملک عبدالرحمٰن خادم ایڈووکیٹ گجرات' جنہوں نے کسی زمانے میں ''احمدیہ پاکٹ بک'' لکھی' کے سگے بھائی ہیں۔ان کے ایک دوسرے برادر معروف لیبر لیڈر راحت ملک بھی ان کے سگے بھائی ہیں۔ جنہوں نے کسی دور میں خلیفہ ربوہ کے بارے میں ''ربوہ کا مذہبی آمر'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اور انہوں نے خود خالداحمدیت کا خطاب پانے والے اپنے بھائی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ فن اغلامیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

ملک عزیز الرحمٰن قصر خلافت میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز رہے اور جب انہیں مرزا محمود احمد کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ایک بدمعاش اور بدکردار آدمی ہے تو انہوں نے اس سے ایسی مکمل علیحدگی اختیار کر لی کہ اپنے خالداحمدیت بھائی کا جنازہ اس بناء پر نہ پڑھا کہ اسے بھی یقینی علم تھا کہ مرزا محمود احمد بدمعاش ہے مگر اس کے باوجود وہ اسے مصلح موعود ثابت کرنے پر تلا رہا۔ وہ مرزا غلام احمد کو تو مجدد وقت اور مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے تو غالیانہ انداز میں تبلیغ کرتے رہتے ہیں لیکن اسی تواتر سے مرزا محمود احمد کو بدمعاش اور بدکردار ثابت کرنے کے لیے بیسیوں پمفلٹ شائع کر چکے ہیں۔

اس سے ان کی اپنے افکار ونظریات میں پختگی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ اس معاملے میں اتنے متشدد ہیں کہ کہتے ہیں چونکہ مرزا محمود احمد اور ان کی والدہ ''نصرت جہاں بیگم' دونوں ہی ایک قبیل سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مرزا غلام احمد کی پیش گوئی کے مطابق قادیان کی ''پاک'' سرزمین سے نکال کر ربوہ کی لعنتی سرزمین میں لا دفن کیا ہے۔

وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ ''پسر موعود'' اور ''زوجہ موعود'' کے ربط وضبط کے بارے میں بھی ایسی ناگفتنی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ میرے جیسے بندے کو بھی' جو قادیانی خلفاء سے لے کر جہلاء تک کی ساری کرتوتوں کے سلسلے میں کسی اشتباہ کا شکار نہیں' تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہو کر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے اور صرف یہی خیال آتا ہے کہ آدمی جب گناہ کی

دلدل میں دھنستا ہے تو پھر اس حد تک کیوں دھنستا چلا جاتا ہے کہ جب تک اسفل السافلین کے مقام پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اسے چین نہیں آتا۔

ملک عزیز الرحمٰن صاحب گھر کے بھیدی تھے۔ اس لیے تیقن کے مقام پر پہنچنا ان کے لیے کوئی زیادہ مشکل نہ تھا۔ لیکن جب وہ اپنی تحقیق عارفانہ سے مرزا محمود احمد اور اس شوق فروزاں کے متعلق ٹھوس معلومات ملنے اور مشاہدات سے اسے مزید پختہ کرنے تک پہنچ گئے تو پیریت کی زنجیروں کو ایک جھٹکے سے توڑنے کے لیے انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ عظمت بیگم کو استرا دے کر قصر خافت بھجوا دیا اور کہا اگر حضرت صاحب دست درازی کی کوشش کریں تو پھر انہیں آلہ واردات سے ہی محروم کر دینا لیکن خلیفہ صاحب بھی گرگ باراں دیدہ تھے اور انہوں نے اپنی معصیتوں کو چھپانے کا بڑا فرعونی نظام وضع کر رکھا تھا۔ تلاشی لی گئی اور عظمت بیگم سے استرا برآمد ہو گیا اور ملک صاحب کو ان کے پورے خاندان سمیت ربوہ بدر کر دیا گیا۔

صالح نور نے مجھے بتایا کہ میں نے ازراہ مذاق ملک صاحب سے پوچھا کہ آپ اس کے موالید ثلاثہ یعنی تھبولا ناتھ کو کیوں کٹوانا چاہتے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک عملی ثبوت بھی ہوتا اور ویسے بھی ایک نادر چیز ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمت کروڑوں سے کم نہ ہوتی اور میں تو اسے سرکے کی بوتل میں ڈال کے رکھتا۔

تکبیر اور ذبیحہ

میں نے مباہلہ والے زاہد سے پوچھا کہ حکیم عبدالوہاب جو نور الدین کے بیٹے ہیں' وہ تو مرزا محمود احمد کی تمام رنگینیوں کو بڑے مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے بھائی عبدالمنان عمر بڑی پُر اسرار خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں۔ کیا انہیں علم نہیں کہ مرزا محمود احمد ایک بدکردار آدمی تھے تو وہ کہنے لگے کہ میں اب بڑھاپے کی اس منزل میں ہوں' جہاں اس قسم کی باتوں کے کرنے سے انسان طبعاً حجاب کرتا ہے لیکن چونکہ یہ ایک صداقت کا اظہار ہے' اس لیے میں برملا اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میاں عبدالمنان عمر کو مرزا محمود احمد کی تمام وارداتوں کا پوری طرح علم ہے اور ان کا ڈپلومیسی کے تحت اس بارے میں زبان نہ کھولنا محض منافقت ہے ورنہ میں اپنی نوعمری میں جب خود شعلہ جوالہ ہوتا تھا تو مجھے علم ہے کہ قصر خلافت کے ایک دروازے پر میاں عبدالمنان عمر کھڑے ہوتے تھے اور دوسرے پر میں اور ہمیں اس بات کا یقینی علم ہوتا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور انہی ایام میں وہ عیاش پیر کبھی مجھ پر تکبیر پھیر دیتا تھا اور کبھی میاں منان کا ذبیحہ کر دیتا تھا۔

اک تے تہاڈیاں نمازاں نے.....

''فتنہ انکار ختم نبوت'' کے مولف مرزا احمد حسین اگرچہ خاندان نبوت کاذبہ کے درون حرم ہونے والے واقعات سے صرف آگاہ ہی نہیں تھے بلکہ مشاہدے کی سرحدوں سے نکل کر تجربے کی کٹھالی سے نکلنے کی دہلیز پر آ پہنچے تھے لیکن اس مرحلے پر اپنی بزدلی یا نام نہاد پارسائی کی بناء پر ناکامی سے دوچار ہونے کے بعد انہیں مرزا محمود احمد اور ان کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے ہاتھوں جس ذہنی تشدد اور اذیت کا شکار ہونا پڑا اور جس طرح ان کے جسم کے ناسور والے حصے پر پٹی لگانے سے ڈاکٹر کو حکماً منع کر دیا گیا' اس کا ان پر اتنا گہرا اثر رہا کہ وہ اپنے دم واپسیں تک مرزا محمود احمد کی خلوتوں کے بارے میں اشارتاً اور کنایۃً ہی گفتگو کرتے رہے اور مذکورہ بالا کتاب میں بھی جو باتیں اس ضمن میں انہوں نے درج کی ہیں' ان میں سریت اور اخفا کا پہلو غالب ہے۔

ایک روایت انہوں نے مصلح الدین کے حوالے سے متعدد مرتبہ چینیز لنچ ہوم' دی مال لاہور میں بیان کی' جسے سننے والے بیسیوں افراد خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ سلامت موجود ہیں لیکن چونکہ وہ حسب معمول اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی تھی' اس لیے یہ یونہی ملفوف اور راز سربستہ رہی۔ اس کا اصلی نقاب صلاح الدین ناصر بنگالی مرحوم نے سرکایا اور پھر چودھری فتح محمد عرف پھتہ سابق مینجر ملتان آئل ملز حال شالیمار ٹاؤن لاہور نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ میں نے کہا کہ چودھری صاحب آپ تو علم و تحقیق کی دنیا کے آدمی نہیں' آپ کو قادیان میں مرزا محمود احمد کی بدکرداری کا کیسے علم ہو گیا تو کہنے لگے افسوس کہ بھرپور جوانی کی لہر میں میں بھی اس سیلاب میں بہہ گیا تھا تو میں نے کہا کہ پھر آپ اس سے نکلے کیوں کر؟ آپ کو تو ہر طرح کا خام مال میسر تھا۔ کہنے لگے کہ ''حضرت صاحب'' جس مقام تک چلے جاتے تھے' وہاں تو عزازیل کے پر بھی جلنے لگتے تھے۔ میں نے کہا آپ کو علم ہے کہ اس سے قادیانیوں کی تسلی ہوتی ہے نہ عام لوگوں کی' اس لیے ذرا کھل کر بات کیجئے۔ کہنے لگے تم میرے بیٹوں کے برابر ہو۔ تم سے کیا بات کروں لیکن تمہارے اصرار پر حلفاً کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ مرزا محمود احمد نے محفل رنگ و شباب سجائی ہوئی تھی کہ موذن نے آ کر روایتی انداز میں آواز لگائی ''حضور نماز کے لیے'' یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے تو حضور نے جو بڑے موڈ میں تھے' کہا:

اک تے تہاڈیاں نمازاں نے بیہہ ماریا اے

یہ جملہ کمرۂ خاص میں بیٹھے ہوئے تمام رندان بادہ خوار نے سنا اور کھلکھلا کر ہنس پڑے

اور پھر موذن کو کہہ دیا گیا کہ نماز ''پڑھا دی جائے'' حضور مصروف ہیں۔ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ یہی وہ لمحہ تھا کہ میں نے اس کنم کدہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایسی توبہ کی کہ پھر قادیان دربوہ کا رخ تک نہ کیا اور اگرچہ میری معاشی اور معاشرتی زندگی پر اس کے بڑے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں مگر زہر ہلاہل کو قند کہنے پر تیار نہیں ہوں۔

اس سے اس خانوادہ کو نعوذ باللہ نبوت، رسالت، امامت اور اہل بیت کے مقام تک پہنچانے والے خود سوچ لیں کہ کیا انگور کو کبھی حنظل کا پھل لگ سکتا ہے اور اگر نہیں تو پھر مرزا غلام احمد کیسے ''نبی'' ہیں کہ جس اولاد کو وہ ذریت مبشرہ قرار دیتے رہے اور ان کے قصیدے لکھتے ہوئے یہاں تک کہتے رہے کہ

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہیں پنجتن جن پر بنا ہے

وہ اپنی بدکرداری اور اپنی اندرونی محفلوں میں اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے میں اس مقام تک چلی گئی کہ اس کا تصور بھی کسی مسلمان کے حاشیۂ خیال میں نہیں آ سکتا۔

لارڈ ملہی اور ظفر اللہ خاں

لاہور کے سیاسی و سماجی حلقوں کے لیے چودھری نصیر احمد ملہی المعروف لارڈ ملہی کا نام اجنبی نہیں۔ وہ ون یونٹ کے دوران مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم رہے اور پھر انہوں نے پنجاب کلب میں اپنا ایسا مستقل ڈیرہ بنایا کہ یہ ان کی دوسری رہائش گاہ بن کر رہ گئی۔ ان کا تھوڑا ہی عرصہ ہوا، انتقال ہوا ہے۔ ان کے بیٹے چودھری افضال احمد ملہی ایڈووکیٹ لاہور بار کے رکن ہیں۔ لارڈ ملہی مرحوم نے ترقی پسندی سے لے کر بقول ممتاز کالم نگار رفیق ڈوگر آخری عمر میں مذہب کی طرف مراجعت کا بڑا طویل سفر کیا لیکن انہیں قریب سے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور کسی واقعہ کے بیان میں ان کی ذات بھی ہدف بن جاتی تھی تو وہ اسے بچانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کلاسک پر کھڑے کھڑے بات چل نکلی تو میں نے ان سے چودھری ظفر اللہ خاں کے کردار کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے طالب علمی کے دور میں میں نے شاہنواز (شاہنواز موٹرز اور شیزان والے) سے اس بارے میں پوچھا تو چونکہ وہ میرے بہت قریبی دوست اور عزیز تھے، اس لیے بے ساختہ کہنے لگے یار وہ تو جب آتا ہے، جان ہی نہیں چھوڑتا اور اس نے

مجھے اپنی بیوی کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ لارڈ ملھی نے مزید بتایا کہ ''انہی ایام میں ظفر اللہ خان نے مجھے بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے قابو میں نہیں آیا۔''

یہ ہے جنرل اسمبلی میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے' قائد اعظم کا اپنے نام نہاد عقائد ونظریات کی خاطر جنازہ نہ پڑھنے والے اور اپنے آپ کو ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر یا ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر قرار دینے والے کا اصل کردار اور یہ صرف ظفر اللہ خاں ہی سے مخصوص نہیں ہر بڑا قادیانی دہرے کردار کا مالک ہوتا ہے۔

امرود کھانے کا مصلح موعودی طریقہ

انگریزی اور اردو زبان کو یکساں قدرت کے ساتھ لکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفہ سیاست کے علاوہ فلم، موسیقی اور آرٹ پر گہری نگاہ رکھنے والے معدودے چند نامی صحافیوں میں احمد بشیر کی شخصیت اپنی ایک چمک رکھتی ہے۔ وہ اپنے صاف ستھرے کردار، اکھڑپن اور ہر حالت میں سچ کہہ کر اپنے دشمنوں میں اضافہ کرتے رہنے کی عادت کے باوصف حق گوئی و بیباکی میں ایک ایسا مقام رکھتے ہیں کہ اس عہد میں اس کی مثالیں اگر نادر الوجود نہیں تو خال خال ہو کر ضرور رہ گئی ہیں۔ ان سے ایک مرتبہ قادیانی امت کے مصلح موعود کے عجائب وغرائب کی ذیل میں آنے والے احوال وظروف کا تذکرہ ہو رہا تھا تو انہوں نے مرزا محمود احمد کے عشرت کدہ خلافت سے آگاہی رکھنے والے اپنے ایک قادیانی دوست کے حوالے سے بتایا کہ مرزا محمود احمد کو معکوس عجمی ذوق کی عادت بھی تھی اور ایک مرتبہ وہ بقول اس قادیانی دوست کے اس عمل سے بھی گزر رہے تھے اور ساتھ ساتھ امرود بھی کھاتے جا رہے تھے۔

احمد بشیر صاحب خدا کے فضل وکرم سے زندہ موجود ہیں اور اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں اس پر صرف یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اس نوع کے افعال سے دل بہلانے والے اور روحانیت کے پردے میں رومانیت کا کھیل کھیلنے والوں کی تو اس خطے میں کوئی کمی نہیں لیکن امرود کھانے کا یہ مصلح موعودی طریقہ ایسا ہے کہ شاید ہی نہیں، یقیناً پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکے گی۔ ایسے شخص کو آپ مفعول کہیں گے یا مفعول مطلق اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں۔

مظہر ملتانی مرحوم کی ایک حیران کن روایت

مظہر ملتانی مرحوم نے جن کے والد فخر الدین ملتانی کو قادیان میں مرزا محمود احمد کی ناگفتہ

بہ حرکات کو منظر عام پر لانے کے لیے پوسٹر لگانے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا، مجھے بتایا ایک مرتبہ ان کے والد محترم اپنے ایک دوست سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں مرزا غلام احمد کے داماد نواب محمد علی آف مالیر کوٹلہ کے بارے میں یہ بتا رہے تھے کہ انہیں اواخر عمر میں کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو گیا تھا کہ وہ اپنی کوٹھی کی سیڑھیاں ناکتخدا لڑکیوں کو اہرام سینہ سے پکڑ کر چڑھتے تھے لیکن اپنے خاندان کی خواتین کو سخت ترین پردے میں رکھتے تھے اور انہیں پالکیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔ یاد رہے کہ جب مرزا غلام احمد نے ان سے اپنی نوجوان بیٹی مبارکہ بیگم بیاہی تو ان کی عمر ستاون سال تھی اور حق مہر بھی ستاون ہزار ہی رکھا گیا تھا اور نواب مالیر کوٹلہ کو اپنے تفصیلی عقائد کو بھی برقرار رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

قاضی اکمل اور مرزا بشیر احمد

قاضی اکمل بڑی معروف شخصیت تھے۔ اب تو عرصہ ہوا ہاویہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جس زمانے میں راقم الحروف ربوہ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھا' چند مرتبہ ان کے پاس بھی جانا ہوا۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ بواسیر کے مریض تھے۔ اس لیے لیٹے ہی رہتے تھے اور ان کے پہلو میں ریڈیو مسلسل اپنی دھنیں بکھیرتا رہتا تھا۔ یہ خبیث الطرفین شخصیت ہی وہ ہے، جس نے مرزا غلام احمد کے عہد میں خود ان کے سامنے اپنی یہ نظم پیش کی تھی، جس کے یہ اشعار زبان زدعام ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

ان کو ملنے کے لیے گئے تو نصر اللہ نا صر میرے ساتھ تھے۔ اگر ان کا حافظہ جواب نہ دے گیا ہو یا ملازمت کی مجبوریاں زیادہ نہ بڑھ گئی ہوں تو وہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ قاضی اکمل نے تفنن طبع کے طور پر یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم چند دوست مرزا بشیر احمد کے پیچھے قادیان سے باہر سیر سپاٹے کے دوران نماز پڑھ رہے تھے۔ مرزا بشیر احمد نے امامت کروائی اور ابھی وہ نماز میں ہی تھے تو میں نے کہ ''ادئے وضو کیتا سائی'' یہ ہے قادیانی نماز.....

جب میں لاہور آیا تو مظہر ملتانی مرحوم نے قاضی اکمل کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک

شعر مجھے دکھایا جو ایک طویل نظم کا حصہ تھا۔ وہ شعر مجھے اب بھی یاد ہے جو یہ ہے:۔

بدن اپنا پھر آگے اس کے ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اس قادیانی کی خباثت کا اندازہ لگائیں کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کرنے میں کس قدر بے باک تھا۔ ایک دوسرا شعر بھی قاضی اکمل کے اپنے ہینڈ رائٹنگ میں مظہر ملتانی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا لیکن وہ اس قدر خستہ تھا کہ اس کا صرف ایک ہی مصرع پڑھا جا سکتا تھا' جو یہ ہے:

نہ چیخ مارو حبیب میرے کہ ہو چکا ہے دخول سارا

اب اگر قادیانی امت کے نام نہاد ''صحابیوں'' کی یہ حالت ہے تو پھر ان کے ''نبی صاحب'' ''خلفا'' اور دوسرے ''اہل بیت'' کی کیا حالت ہوگی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

مرزا ناصر احمد نے اپنے ہی پوتے کے اغوا کا منصوبہ بنالیا

ربوہ میں چارسدہ کی ایک ممتاز دیرینہ احمدی فیملی رہائش پذیر تھی۔ مرزا ناصر احمد کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ اس نے اپنے بیٹے مرزا لقمان احمد کا نکاح اس خاندان کے سربراہ کو باصرار راضی کر کے ان کی صاحبزادی سے کر دیا۔ یہ لڑکی ایک انتہائی شریف اور وضع دار خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ''قصر خلافت'' میں آ گئی تو اس نے اپنے خاوند، اس کے والد مرزا ناصر احمد اور دیگر افراد خانہ کی اصل ''روحانیت'' اور ''احمدیت'' کا حقیقی عکس دیکھا تو اس کے لیے ایک پل بھی یہاں رہنا ناممکن ہو گیا۔ ناچار اس شریف زادی نے ساری داستان اپنے گھر والوں کو بتائی اور مرزا لقمان احمد سے طلاق لے لی۔

اس عرصہ میں ان کے ہاں ایک بیٹا تولد ہو چکا تھا۔ مرزا لقمان احمد نے مرزا ناصر احمد کی شہ پر اس بیٹے کو اغوا کر کے اسے فوری طور پر لندن سمگل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے نہ صرف پاسپورٹ تیار کروایا گیا بلکہ ویزہ بھی حاصل کر لیا گیا۔ لیکن ''خاندان نبوت'' سے ہی قریبی تعلق رکھنے والے ایک معروف و متمول شخص نے نہایت خاموشی سے یہ اطلاع ورانی صاحب کو پہنچا دی اور وہ اپنے بچوں کو بڑی مشکل سے ربوہ سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ اب یہ لڑکا رضوان پشاور کے ایک کالج میں زیر تعلیم ہے مگر ''خاندان نبوت'' کے غنڈے وہاں سے بھی اسے اغوا کرنے کے چکر میں رہتے ہیں مگر مقامی مسلمان طالب علموں، اساتذہ اور پرنسپل کی خصوصی نگہداشت کے سبب وہ ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک وجہ رضوان کے عزیز و اقارب کا

پوری طرح چوکس رہنا ہے۔ اگر وہ کہیں ربوہ میں ہی رہائش پذیر ہوتے تو پتہ نہیں قادیانی غنڈے ان کا کیا حشر کرتے اور اس بستی میں کوئی ایک شخص بھی سچی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

جب تک حکومت ربوہ کی رہائشی زمین کی (جو کراؤن لینڈ ایکٹ کے تحت کوڑیوں کے مول لی گئی تھی) لیز ختم کر کے لوگوں کو مالکانہ حقوق نہیں دیتی اور وہاں کارخانے لگا کر روزگار کے مواقع پیدا نہیں کرتی، ایک ہی اقلیت کے تسلط کے باعث یہاں غنڈہ گردی ہوتی رہے گی اور قانون بے بس اور لاچار رہے گا۔

عروسہ گیسٹ ہاؤس

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں ''خاندان نبوت'' کے معتوب امیدوار ''خلافت'' مرزا رفیع احمد کے ایک انتہائی قریبی عزیز پیر صلاح الدین جو بیورو کریسی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ہیں، راولپنڈی میں عروسہ گیسٹ ہاؤس کے نام سے فحاشی کا ایک اڈہ چلاتے ہوئے پکڑے گئے، جس پر ان کا منہ کالا کیا گیا اور اس کی رُوسیاہی کی تصویریں تمام قومی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ جس کو اس بارے میں کوئی شک ہو، وہ 'نوائے وقت' اور ''جنگ'' کے فائلوں میں یہ تصویر دیکھ سکتا ہے۔

فیر چندہ کتھے دیاں گے

قادیانی امت نے ماڈرن گداگروں کا روپ دھار کر اپنے مریدوں کی جیبیں صاف کرنے کے لیے چندہ عام، چندہ جلسہ سالانہ، چندہ نشر و اشاعت، چندہ وصیت، چندہ تحریک جدید، چندہ وقف جدید، چندہ خدام الاحمدیہ، چندہ انصار اللہ، چندہ اطفال الاحمدیہ، چندہ بہشتی مقبرہ اور اس طرح کے بیسیوں دیگر چندے وصول کرنے کے لیے گداگری کے اتنے کشکول بنائے ہوئے ہیں کہ عام قادیانیوں سے جینے اور مرنے کا بھی ٹیکس وصول کر لیا جاتا ہے اور خود تو ''خاندان نبوت'' کے افراد اندرون ملک اور بیرون ملک عیاشانہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اپنے مریدوں کو سادگی اور ''احمدیت'' اور ''اسلام'' کے فروغ کے لیے سادگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

اس مسلسل کنڈیشننگ کا یہ عالم ہے کہ عام قادیانی اسے بھی زندگی کا حصہ خیال کرنے لگ پڑتے ہیں۔ ماسٹر محمد عبداللہ ٹی آئی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہیں اس بات کا یقینی اور قطعی علم ہو گیا کہ یہ مدرسہ خلیفہ جی اور ان کے حواریوں کو خام مال سپلائی کرنے کی نرسری ہے تو انہیں یہ

باتیں زبان پر لانے کی پاداش میں جماعت سے ہی نہ نکالا گیا بلکہ مذہبی جاگیرداریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں شہر بدر بھی کر دیا گیا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ پھر ''احمدیت'' پر ہی تین حرف بھیج دیں کیونکہ اس کے رہنماؤں کے احوال وظروف سے تو آپ کو بخوبی آگاہی ہو چکی ہے تو وہ کہنے لگے ''اے گل تے ٹھیک اے پر فیر چندہ کتھے دیاں گے؟''

لاہوری پارٹی کے سابق امیر مولوی صدر الدین نے جب وہ قادیان میں ٹی آئی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے تو انہوں نے بھی اسی صورت حال کو ملاحظہ کیا تھا۔ ماسٹر عبداللہ اور مولوی صدر الدین نے ایک دوسرے کو ملنا تو درکنار شاید دیکھا بھی نہ ہو لیکن ان ایک بیانات میں مطابقت قادیانیوں کے لیے قابل غور ہے۔

یادوں کا کارواں ..... چند مزید جھلکیاں

آغا سیف اللہ مربی ''سلسلہ عالیہ احمدیہ'' جو کئی سال تک ۸۷ سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں ''تبلیغی فرائض'' انجام دیتے رہے۔ جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران ہی اپنے مخصوص ایرانی ذوق کی وجہ سے خاصے معروف تھے اور سیالکوٹ کے نواحی قصبے کے ایک دوسرے طالب علم نصیر احمد سے ربط وضبط کی وجہ سے رسوائی کی سرحدوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ موخر الذکر کو قدرے بھاری سرینوں کی وجہ سے نصیر احمد ''ڈھولکی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آغا سیف اللہ نے میرے سامنے بوجوہ واضح طور پر یہ تو تسلیم نہیں کیا کہ ان کے نصیر احمد کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا تھی لیکن اتنا ضرور بتایا کہ ایک دوسرے مربی صاحب داؤد احمد حنیف نے نصیر احمد سے ''کرم فرمائی'' کی استدعا کی تھی لیکن انہوں نے آغا صاحب کو بتا دیا، جس پر انہوں نے داؤد احمد حنیف کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی جو بالواسطہ اشارہ تھا کہ قادیانی امت کے قواعد وضوابط کے مطابق کسی دوسرے کی جولانگاہ میں اس طرح کا کھلا تجاوز درست نہیں۔ آخر اجازت لے لینے میں ایسی کون سی قباحت ہے۔

موصوف نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ایک ایم - ایس سی دوست سے بھی مسلسل فیض یاب ہوتے رہتے ہیں اور انہیں اس بات پر خصوصی حیرت ہے کہ مرد وزن اور دو مردوں کے درمیان جنسی مراسم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ سارا پراسس بالکل ایک جیسا ہے۔ پھر پتہ نہیں لوگ ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کیوں سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فن طفل تراشی کی کراہت کو کم کرنے کے لیے یہ بھی بتایا کہ مجید احمد سیالکوٹی مربی سلسلہ نے انہیں دوران تعلیم ہی ''سلوک'' کی

ان منازل سے کچھ آگاہی بخشتے ہوئے کہا تھا کہ میر داؤد احمد آنجہانی سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ جو ''حضرت مصلح موعود مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی'' کے نہایت قریبی عزیز اور میر محمد اسحاق کے بیٹے تھے، انہیں بھی اس خاندانی علت المشائخ سے حصہ وافر ملا تھا اور موصوف (مجید احمد سیالکوٹی) کو افسر جلسہ سالانہ میر داؤد احمد کے ساتھ کئی سال تک پرنسپل اسسٹنٹ کے طور پر ڈیوٹی دیتے ہوئے بعض بڑے نادر تجربات ہوئے اور اسی تعلق میں انہوں نے یہ بھی بتایا ''ایسے ہی ایک موقع پر رات کے پچھلے پہر جب سب اپنی اپنی ڈیوٹی سے تھک ہار کر ستانے کے لیے لیٹے تو میر داؤد احمد نے میرے شجر حیات کو پکڑ کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا اور اسی عالم میں' میں نے ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مجھے اندرون ملک مربی بنا کر نہیں رکھیں گے بلکہ کسی بیرونی ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر انہوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا۔

راقم یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مجھے فنون لطیفہ کی اس صنف کے ایک اور ماہر جامعہ احمدیہ کے پرانے طالب علم صادق سدھو نے بتایا کہ میر داؤد احمد انہیں تخلیہ میں بلا کر اکثر پوچھا کرتے تھے کہ تم سلسلہ اغلامیات کے یہ مرحلے کس طریقے سے طے کرتے ہو۔ اس پس منظر میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ان کمزور لمحات میں اگر مجید احمد سیالکوٹی میر داؤد احمد سے کچھ اور بھی منوالیتے تو شاید وہ اس سے بھی انکار نہ کرتے اور یوں قادیانی کام شاستر کے کچھ نئے آسن بھی سامنے آجاتے۔

خیر یہ چند جملے تو یونہی طوالت اختیار کر گئے۔ تذکرہ ہو رہا تھا آغا سیف اللہ صاحب کا جو آج کل قادیانی امت کے ناقوس خصوصی ''الفضل'' کے پبلشر ہیں۔ انہوں نے راقم الحروف کو خود بتایا کہ ان کی اہلیہ جو ''خاندان نبوت'' سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں، ایک مرتبہ خلیفہ ثانی کے اس ''حرم پاک'' سے ملنے گئیں جو بشریٰ مہر آپا کے نام سے معروف ہیں۔ تو جب تکلفات سے بے نیاز ہو کر کھلی ڈلی گفتگو شروع ہوئی تو موصوفہ نے کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا کہ ان کا تو رحم ہی موجود نہیں ہے۔ یہ رحم کس طرح ''معجزانہ'' طور پر غائب ہوا تھا اور عصمت کے اس ویرانے میں کس انداز میں ''رویا وکشوف'' کی چاور چڑھا کر اس معاملے کو ٹھپ کر دیا گیا اور اندھے مریدوں اور مجبور عقیدت مندوں سے اس پر کیونکر ''زندہ باد'' کے نعرے لگوائے گئے۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل پہلے آچکی ہے۔ اس لیے مزید طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ یہ حقائق پر مبنی واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر انہیں پوری تفصیل سے لکھا جائے تو گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز کے کئی ایڈیشن اسی کے لیے مخصوص ہو کر رہ جائیں۔

وہ لوگ جو طنزاً کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مسالک و مکاتب فکر کے دینی مدرسوں میں فقہی موشگافیاں جدا جدا سہی، مگر عملی نصاب (کورس) ایک ہی ہے۔ وہ جامعہ احمدیہ کو اس فن میں وہ مقام دینے پر مجبور ہوں گے کہ پورے وثوق سے کہا جا سکے گا کہ یہاں سے ''احمدیت'' کی تبلیغ کے جو ''چراغ'' روشن ہو چکے اور ہو رہے ہیں، وہ کون کون سی تاریک راہوں کو منور کریں گے اور ''احمدیت'' کا ''نور'' کس طریقے سے پھیلائیں گے۔

خدا گواہ ہے کہ جب میں نے حصول تعلیم کے لیے ربوہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ ''نبوت و خلافت'' کی جھوٹی رداؤں میں لپٹے ہوئے رویائے صادقہ اور کشوف کی دنیا میں ''سیر روحانی'' کا دعویٰ کرنے والے لاکھوں افراد سے ''دین اسلام'' کو اکناف عالم تک پہنچانے کے جھوٹے دعوے کر کے ان کی معمولی معمولی آمدنیوں سے چندے کے نام پر کروڑوں نہیں، اربوں روپیہ وصول کرنے والے اور انہیں نان جویں پر گزارہ کی تلقین کر کے خود ان کے مال پر تکھرے اڑانے والے، اندر سے اس قدر غلیظ' اس قدر گندے اور اس قدر ناپاک ہوں گے اور ایسی کسی تصوراتی لہر کا ذہن میں آ جانا فی الواقع ممکن بھی نہ تھا' کیونکہ میرے والد محترم فوج سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قادیانیت کے چنگل میں پھنس چکے تھے، بلکہ انہوں نے میرے دو بڑے بھائیوں کو بھی قادیانیت کی جانی، مالی، لسانی، حالی اور قلمی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ان حالات میں، میں نے ربوہ کی شور زدہ زمین پر قدم رکھا تو چند ہی دنوں میں میرے تعلقات ہر کہ ومہ سے ہو گئے اور ہمارے خاندان کی یہ اتنی بڑی احمقانہ ''قربانی'' تھی، جسے وہاں ''اخلاص'' سمجھا جاتا تھا اور اس کا برملا اعتراف کیا جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں میرے روابط کا دائرہ پھیلتا گیا، اسی نسبت سے اس جبریت زدہ ماحول میں ربوہ کے باسیوں کی خصوصی اور دوسرے قادیانیوں کی عمومی بے چارگی اور بے بسی کا احساس میرے دل میں فزوں تر ہوتا گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ ''خاندان نبوت'' کے تمام ارکان بالخصوص مرزا محمود احمد کے بارے میں ایسے ایسے ناگفتہ بہ انکشافات ہونے لگے کہ ذہن ان کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے پرانے قادیانیوں سے اس بارے میں مزید استفسار کیا تو پھر تو مشاہدات اور آپ بیتیوں کی ایک ایسی پٹاری کھل گئی کہ میری کوئی تاویل بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی اور میں اپنے مشاہدات کی جو یہ تعبیر کر لیتا تھا کہ خلیفہ صاحب کے خاندان کے لوگ اور ان کے اردگرد رہنے والے تو بدکردار ہیں، لیکن خود وہ ایسے نہیں ہو سکتے، وہ خود بخود ہوا ہو کر رہ گئی۔

اس دوران قلب وذہن، کرب واذیت کی جس کیفیت سے گزر سکتا ہے، اس سے میں بھی پورے طور پر گزرا۔ اس لیے اگر کسی قادیانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض الزام تراشی اور بہتان طرازی صرف ان کا دل دکھانے کے لیے ہے تو وہ یقین جانے کہ بخدا ایسا ہرگز نہیں۔ یہ سارے دلائل تو میں بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے دیتا رہا مگر دلائل کب مشاہدے اور تجربے کے سامنے ٹھہر سکے ہیں کہ یہاں ٹھہر جاتے۔ پھر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ الزامات لگانے والے کوئی غیر نہیں بلکہ خود قادیانی امت کے لیے جان اور مال کی قربانیاں دینے والے اور اپنے خاندانوں اور برادریوں سے اس کے لیے کٹ کر رہ جانے والے لوگ ہیں۔ کیا وہ محض قیاس اور سنی سنائی باتوں پر اتنا بڑا اقدام کرنے پر عقلاً تیار ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

انسان جس شخصیت سے ارادت وعقیدت کا تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں اس نوع کے کسی الزام کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر وہ ایسا کرنے پر تل جاتا ہے تو پھر سوچنا پڑے گا، کہ اس شخصیت سے ضرور کوئی ایسی ابنارمل بات سرزد ہوئی ہے کہ اس سے فدائیت کا تعلق رکھنے والے فرد بھی اس پر انگلی اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور پھر یہ انگلی اٹھانے والے معمولی لوگ نہیں، ہر دور میں خاندان نبوت کے یمین ویسار میں رہنے والے ممتاز افراد ہیں۔ مرزا غلام احمد کے اپنے زمانے میں مرزا محمود احمد پر بدکاری کا الزام لگا، جس کے بارے میں قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے پہلے امیر مولوی محمد علی کا بیان ہے کہ یہ الزام تو ثابت تھا مگر ہم نے شبہ کا فائدہ دے کر مرزا محمود کو بری کر دیا۔ پھر محمد زاہد اور مولوی عبدالکریم مباہلہ والے اور ان کے اعزہ اور اقرباء نے اپنی بہن سکینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف احتجاج کے لیے باقاعدہ ایک اخبار ''مباہلہ'' کے نام سے نکالا اور خلیفہ صاحب کے اشارے پر میر قاسم علی جیسے چھٹ بھیوں نے ان کے خلاف مستریاں مشین سویاں ایسی طعنہ زنی کر کے اصل حقائق کو چھپانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد مولوی عبدالرحمٰن مصری، عبدالرزاق مہتہ، مولوی علی محمد اجمیری، حکیم عبدالعزیز، فخر الدین ملتانی، حقیقت پسند پارٹی کے بانی ملک عزیز الرحمٰن، صلاح الدین ناصر بنگالی مرحوم اور دوسرے بے شمار لوگ وقتاً فوقتاً مرزا محمود احمد اور ان کے خاندان پر اسی نوعیت کے الزام لگا کر علیحدہ ہوتے رہے اور بدترین قادیانی سوشل بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔

ملازمتوں سے محروم اور جائیدادوں سے عاق کیے جاتے رہے۔ مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ کیا محض یہ کہہ کر کہ یہ قریب ترین لوگ محض الزام تراشی کرتے رہے، اصل حقائق پر

پردہ ڈالا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص اپنی ماں پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے تو فقط یہ کہہ کر اس کی بات کو رد کر دینا کہ دیکھو کتنا برا آدمی ہے، اپنی ماں پر الزام لگاتا ہے، درست نہ ہوگا، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کی ماں نے گول بازار کے کس چوراہے میں بدکاری کی ہے کہ خود اس کے بیٹے کو بھی اس کے خلاف زبان کھولنا پڑی ہے۔ جس رفتار سے ان واقعات سے پردہ اٹھ رہا تھا' اسی سرعت سے میرے اعتقادات کی عمارت بھی متزلزل ہو رہی تھی اور میری زبان ایک طبعی ردعمل کے طور پر ربوہ کے اس دجالی نظام کی قلعی کھولنے لگ پڑی تھی اور اس خباثت کو نجابت کہنے کے لیے تیار نہ تھی۔ مرزا محمود احمد بارہ سال کے بدترین فالج کے بعد جہنم واصل ہوا تو ربوہ کے قصر خلافت میں جس دو جانب کھلنے والے کمرے میں اس کی لاش رکھی ہوئی تھی، میں بھی وہاں موجود تھا اور میرے دو ساتھی فضل الٰہی اور خلیل احمد، جو اب مربی ہیں، بھی میرے ساتھ باکیاں لیے وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے مرزا محمود احمد کو انتہائی مکروہ حالت میں پاگلوں کی طرح سر مارتے اور کرسی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اسے لے جاتے ہوئے کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ ربوہ کی معاشی نبوت پر پلنے والے اس حالت میں بھی اس کی ''زیارت'' کے نام پر لوگوں سے پیسے بٹورتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ بس گزرتے جائیں' بات نہ کریں۔ حسب توفیق نذرانہ دیتے جائیں۔ اس دور میں اس کے جسم کی ایسی غیر حالت تھی کہ بیوی بچے بھی انہیں چھوڑ چکے تھے اور سوئٹزرلینڈ سے منگوائی گئی نرسیں بھی دو ہی ہفتے کے بعد بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو وہاں تراشی ہوئی داڑھی والا اور ابٹن و زیبائش کے تمام لوازمات سے بری طرح تھوپا گیا ایک لاشہ پڑا تھا۔

میں نے مذکورہ بالا دونوں نوجوانوں کو کہا کہ یار کل تک تو اس چہرے پر بارہ بجے ہوئے تھے مگر آج اس پر بڑی محنت کی گئی ہے تو ان میں سے موخر الذکر کہنے لگا ''توں ساڈا ایمان خراب کر کے چھڈیں گا''۔ یہ دونوں اپنی ''پختہ ایمانی'' کی بناء پر ابھی تک قادیانیت کا دفاع کر رہے ہیں لیکن میں نے اس ایمان کو ذہنی طور پر اسی وقت چناب کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔

مرزا ناصر احمد کو ایک مخصوص پلاننگ کے تحت خلافت کے منصب پر بٹھایا گیا تو اس نے دوسرے امیدوار مرزا رفیع احمد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اس سے ملنے جلنے والوں اور تعلق رکھنے والوں کو ملازمتوں سے محروم کرنے اور ربوہ بدر کرنے کے احکامات جاری ہونے لگے اور یہ سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ گدی نشینی کی اس جنگ میں ہزاروں افراد اور ان کے خاندان خواہ مخواہ نشانہ بن گئے' سوشل بائیکاٹ کا شکار ہوئے۔ یہ لوگ اپنی برادریوں سے مرزا غلام احمد کو نبی مان کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے جنازوں اور شادیوں تک میں شرکت کو حرام قرار دے کر ان سے پہلے

ہی علیحدہ ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کے لیے نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ربوہ میں رہائشی زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور صدر انجمن احمدیہ جو مرزا غلام احمد کے خاندان کی گھریلو کنیز اور ذاتی تنظیم ہے، وہ کسی بھی وقت ''باغیوں'' کو رہائش سے محروم کر دیتی ہے اور ان کی بڑی تعداد پھر اس خوف سے کہ وہ اس مہنگائی کے دور میں سر کہاں چھپائیں گے، دوبارہ ''خلیفہ خدا بناتا ہے'' کی ڈگڈگی پر رقص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دور میں بھی یہی کچھ ہوا۔

ان دنوں میں اقتدار کی اس کشمکش کو بہت قریب سے اور بہت غور سے دیکھ رہا تھا لیکن اس دور میں میرا عقائد و نظریات کے حوالے سے قادیانی امت سے کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا اور ایک روایتی قادیانی کی طرح میں اتنا ہی غالی تھا جتنا کہ ایک قادیانی ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ میں غالباً اپنی والدہ محترمہ کی تربیت کے زیر اثر قادیانیوں کے اس عمومی طریق استدلال کا سخت مخالف تھا، جس کے تحت وہ مرزا غلام احمد اور اس کی اولاد کا معمولی معمولی باتوں میں بھی حضور ﷺ سے موازنہ شروع کر دیتے تھے اور میری اس پر بے شمار لڑائیاں ہوئیں۔

قادیانیوں کی اس بارے میں دریدہ دہنی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ایک بااثر مولوی جو آج کل اپنی اسی خناسیت کی وجہ سے گھٹنوں کے درد سے لاچار ہے، کہا کرتا تھا کہ خاتم النبیین کی طرز پر ایسی ترکیبیں اس کثرت سے زور دار طریقے سے رائج کرو کہ اس ترکیب کی (نعوذ باللہ) کوئی اہمیت ہی نہ رہے۔

یاد رہے کہ میری والدہ محترمہ میرے والد کے بے حد اصرار کے باوجود قادیانیت کے جال میں نہیں پھنسیں اور میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی ان کی زبان سے مرزا غلام احمد یا اس کے کسی نام نہاد خلیفہ کا نام تک نہیں سنا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میں پانچ وقت نماز پڑھتی ہوں، حکم خداوندی ادا کرتی ہوں، تہجد بھی پڑھتی ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات بھی میرا معمول ہے۔ اگر اسکے باوجود خدا تعالیٰ مجھے نہیں بخشا تو نہ بخشے۔ میں حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہیں مان سکتی۔

مرزا ناصر احمد کی گدی نشینی کے سلسلے میں جب ہارس ٹریڈنگ شروع ہوئی تو میں نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنی محفلوں میں اس پر خوب کھل کر تبصرے کیے۔ ایک موقع پر ہمارے ایک جھنگوی دوست نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کسی دوسرے پیر کے بیٹے اور پوتے اس کے بعد گدی پر بیٹھ جائیں تو ہم اسے گدی کہتے ہیں لیکن مرزا غلام احمد کے بیٹے اور پوتے یہی کام کر لیں تو یہ خلافت کیوں کہلاتی ہے تو میں نے اسے کہا کہ جس طرح عام آدمی کو آنے والا خواب، خواب ہوتا ہے اور خلیفہ جی کو آنے والا خواب ''رویا'' ہوتا ہے، اسی طرح یہ گدی خلافت ہوتی

ہے۔ مرزا ناصر احمد کے جاسوسوں نے فوراً اسے اس بات کی خبر کر دی اور وہ بہت چراغ پا ہوئے اور ایک اجتماعی ملاقات میں میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اس نے مجھے دھمکی دی کہ آپ کوئی بات نہیں مانتے۔ آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ میں اسی لحظہ سمجھ گیا کہ اب مرزا ناصر احمد کے تلوے جلنے لگے ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے میرے خلاف اقدامات کریں گے۔ اسی دوران ایک اور واقعہ ہوا کہ میں لیہ میں مقیم تھا کہ بیت المال کا ایک کلرک جسے ربوہ کی زبان میں انسپکٹر بیت المال کہتے ہیں، میرے پاس ٹھہرا اور آزادانہ بات چیت کے دوران اس نے مجھے اندرونی حال بتاتے ہوئے کہا کہ خاندان والے خود تو کوئی چندہ نہیں دیتے لیکن ہمارے حقیر معاوضوں میں سے بھی چندے کے نام پر جگا ٹیکس کاٹ لیتے ہیں۔ ان دنوں مرزا ناصر احمد کسی دورے پر افریقہ یا کسی دوسرے ملک گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا اگر تم ایسے ہی دل گرفتہ ہو تو دعا کرو کہ اس کا جہاز کریش ہو جائے۔ اس آدمی نے یہ بات توڑ مروڑ کر لیہ کے مقطوع النسل امیر جماعت فضل احمد کو بتائی تو اس نے نمبر بنانے کے لیے مرزا ناصر احمد کو فوری رپورٹ دی کہ شفیق تو تمہارا جہاز کریش ہونے کی دعا کرتا ہے۔ مرزا ناصر کو یہ بات سن کر آگ لگ گئی۔ مجھے فوراً واپس بلایا گیا۔ سو پہلے تو ربوہ کے ڈی آئی جی عزیز بھانبڑی اور اس کے گماشتوں کے ذریعے قادیانی غنڈے میرے پیچھے لگائے گئے مگر میں پھر بھی باز نہ آیا تو ربوہ کی تمام عبادت گاہوں میں میرے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا اور پاکستان کی تمام جماعتوں کے افراد کو خطوط کے ذریعے بھی اس کی اطلاع کر دی گئی اور مرزا ناصر احمد نے اس پر ایک پورا خطبہ بھی دے ڈالا جو آج تک شائع نہیں ہوا۔

میرا مزید ناطقہ بند کرنے کے لیے میرے دو بڑے بھائیوں سے تحریری عہد لیا گیا کہ وہ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ سو انہوں نے بھی مجھے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور میرے آبائی گھر پر تسلط جما کر مجھے وہاں سے بھی نکال دیا۔ یہ واقعات صرف مجھ پر ہی نہیں بیتے اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد اس صورت حال سے دوچار ہوئے ہیں مگر کسی حکومت نے، انسانی حقوق کی کسی تنظیم نے اس پر آوازِ احتجاج بلند نہیں کی۔ کسی عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمان نے ان لوگوں کے بنیادی شہری اور انسانی حقوق کی بحالی اور ان کو پہنچائے جانے والے نقصان کی تلافی کے لیے آواز نہیں اٹھائی مگر کسی قادیانی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو شور مچا دیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو یہ صورت حال تھی تو دوسری طرف بڑے بڑے قادیانی عہدیدار مجھے ''حضور'' سے معافی مانگ لینے کی تلقین کر رہے تھے لیکن میں قضیب احمر کو کسی بھی صورت میں گاجر کہنے کے لیے تیار نہ ہوا تو قادیانیوں نے لاہور میں میری رہائش گاہ پر آ کر مجھے قتل کرنے اور سبق

سکھا دینے کی دھمکیاں دیں۔ لاہور میں بہترین مکان خرید کر دینے کی پیشکش بھی ہوئی مگر میں اس ترغیب و ترتیب کے بھرے میں نہ آیا۔ قادیانی امت کا رنج اس بات سے مزید بڑھ گیا تھا کہ میرا اختلاف اب انگریز کے خود کاشتہ پودے کے صرف اعمال ہی سے نہیں تھا، نظریات سے بھی تھا اور میں مرزا غلام احمد کی ظلی، بروزی، لغوی، اور غیر تشریعی نبوت پر لعنت بھیج کر مکمل طور پر آنحضرت ﷺ کے سبز پرچم کے نیچے آ چکا تھا۔ مرزا ناصر احمد کی گدی نشینی کے عہد میں ان کے مختلف مغلئی مشاغل کی کہانیاں ٹی آئی کالج سے لے کر ربوہ کے ہر اس گھر تک پھیلی ہوئی تھیں، جہاں کسی خوش رو کا بسیرا تھا اور اس طرح ''خاندان نبوت'' کی دوسری کلیاں بھی اپنے اپنے ذوق کا سامان کرنے کی وجہ سے گوناگوں کہانیوں کی زد میں تھیں۔ لیکن مرزا ناصر احمد کے سینکڑوں کبوتروں کو ٹی آئی کالج کی رہائش گاہ سے ''قصر خلافت'' منتقل کرنا یا ان کے آزاد کر دینے کا معاملہ خاصے دنوں تک ایک مسئلہ بنا رہا اور مولوی تقی نے اس پر بڑا دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مغل کوئی ''بازی'' ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔

ایک دن مرزا ناصر احمد کے ''فیض جسمانی'' کے کرشموں کا بیان جاری تھا اور جو دھامل بلڈنگ میں واقع دواخانہ نور الدین میں حکیم عبدالوہاب بڑے مزے لے کر سنا رہے تھے کہ صاحبزادہ صاحب نے کس طرح ریلوے کے ایک کانٹے والے کی لڑکی ثریا کو اس کے باپ کی غیر موجودگی میں خود اس کے ریلوے کوارٹر میں جالتاڑا۔ ابھی یہ حکایت ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ الشرکہ الاسلامیہ والی پرانی بلڈنگ کے مالک حکیم صاحب کو ملنے کے لیے آ گئے اور باتوں باتوں میں احمدیت کی مخالفت کرنے والوں کو ذلیل و خوار ہونے کے واقعات کا تذکرہ شروع ہو گیا اور تمام اکابر مسلمانانِ پاک و ہند کو پیش آنے والے مبینہ مصائب کو احمدیت کی مخالفت کی سزا قرار دے کر ''احمدیت'' کی سچائی ثابت کی جانے لگی۔

جب حکیم صاحب کے پرانے شناسا اس نوارد نے یہ داستان ختم کی تو حکیم صاحب نے بڑی آہستگی سے کہا کہ وہ آپ کی بیٹی کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا، اس کے بعد بھی آپ ربوہ میں ہی رہ رہے ہیں تو میں حیران رہ گیا کہ ایک طرف تو وہ ''احمدیت'' کی مخاصمت پر مخالفین کو پہنچنے والے نقصانات اور آلام و مصائب کو اپنے مسیح موعود اور مصلح موعود کی ''کرامات'' کے طور پر پیش کر رہا تھا، مگر جونہی اس نے حکیم صاحب کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس کی آنکھیں بھرا گئیں اور وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگا حکیم صاحب انسان زندگی میں مکان ایک بار ہی بنا سکتا ہے اور پھر اب تو بچے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ ان کی شادیوں کا مسئلہ بھی ہے۔ برادری سے پہلے ہی قطع تعلق کر چکے

ہیں۔ اب جائیں تو جائیں کہاں! دواخانہ نور الدین کے انچارج اکرم بھی اس محفل میں موجود تھے۔ وہ اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ محمد علی سبزی فروش کا المناک قتل بھی ربوہ میں مرزا ناصر احمد کے عہد میں ہی ہوا اور اس کی بھی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ چونکہ اس کا ''خاندان نبوت'' کے گھروں کے اندر آنا جانا تھا اور وہ راز ہائے درون خانہ کو بیان کرنے میں بھی کسی حجاب سے کام نہیں لیتا تھا' اس لیے بری طرح ذبح کر دیا گیا مگر ''نیک اور پاکباز'' لوگوں کی اس بستی کے کسی فرد نے بھی اس قتل کے راز سے پردہ اٹھانے کی جرات نہ کی۔

یوں تو قادیانی امت کے بزرجمہر مرزا محمود احمد کے زمانے ہی سے سیاست کا کھیل بھی کھیلتے رہے ہیں لیکن 1953ء کی مجاہدانہ تحریک نے ان کو بڑی حد تک محدود کر کے رکھ دیا اور مرزا محمود احمد نے ان تمام اسلامی اصطلاحات کا استعمال ترک کرنے کا عہد کر لیا، جو امت مسلمہ کے لیے اذیت کا موجب بنتی رہی ہیں لیکن وہ قادیانی ہی کیا ہوا جو اپنی بات پر قائم رہ جائے۔ جونہی حالات بدلے' مرزا محمود احمد نے بھی گرگٹ کی طرح پینترا بدل لیا اور دوبارہ وہی پرانی ڈگر اختیار کر لی۔ مرزا محمود احمد اس کے جلد ہی بعد ڈاکٹر ڈوئی کی طرح عبرتناک فالج کی گرفت میں آیا تو مرزا ناصر احمد نے' جس کے لیے اس کا شاطر والد جماعت کو اپنے خطوط کی ابتداء میں ھوا لناصر لکھنے کی تلقین کر کے راہ ہموار کر چکا تھا' اور پھر عیسائی طریقے کے مطابق اپنے حواریوں کی منڈلی کے ذریعے اپنے آپ کو ''منتخب'' کروالیا' کھل کر پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے اپنی گیم آف نمبرز میں مرزا رفیع احمد کو مات دے کر اور مرزا القمان احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے گدی نشینی کے لیے اپنا راستہ بنایا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو آگے لانے میں قادیانی امت نے قریباً 16 کروڑ روپیہ صرف کیا اور اپنے تمام تنظیمی اور دوسرے وسائل اس کے لیے استعمال کیے۔ اس عہد میں مرزا طاہر احمد صاف طور پر سیکنڈ ان کمان بن کر سامنے آیا اور جماعت میں یوں تاثر دیا جانے لگا کہ اب احمدیت کا غلبہ ہوا ہی چاہتا ہے اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ لیکن جب آٹھویں عشرے کے اوائل میں تحریک ختم نبوت پوری قوت سے دوبارہ ابھری اور ذوالفقار علی بھٹو نے ہی ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا تو قادیانی اپنے ہی زخموں کو چاٹ کر رہ گئے۔

پروفیسر سرور مرحوم نے ایک دفعہ بتایا کہ تحریک ختم نبوت کے ایام میں قادیانیوں نے ایک وفد خان عبدالولی خان سے ملنے کے لیے بھیجا اور جس وقت اس نے خان صاحب سے ملاقات کی' میں بھی وہیں پر موجود تھا۔ جب قادیانیوں نے بھٹو کو لانے میں اپنی خدمات کا حوالہ

دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گیا ہے' اس لیے آپ ہمارا ساتھ دیں اور اپنے سیکولر نظریات کے حوالے سے اس تحریک کے پس منظر میں ہمارے حق میں آواز اٹھائیں تو خان عبدالولی خاں نے بے ساختہ کہا بھئی باچاخان کا بیٹا اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ جس بھٹو کو لانے کے لیے تم نے 16 کروڑ روپیہ خرچ کیا ہے' اس مسئلہ میں اس کی مخالفت کر کے خواہ مخواہ امت مسلمہ کی مخالفت مول لے لے۔

تحریک ختم نبوت کے دنوں میں آغا شورش مرحوم کے ہفت روزہ ''چٹان'' میں بڑی باقاعدگی سے کبھی اپنے نام سے اور کبھی کسی قلمی نام سے قادیانی امت کے بارے میں لکھا کرتا تھا۔ آغا صاحب کے پاس یوں تو آنے جانے والوں کا عام دنوں میں بھی تانتا بندھا رہتا تھا لیکن اس دوران تو وہاں سیاست دانوں' علماء اور دانش وروں کی آمد ایک سیلاب کی صورت اختیار کیے ہوئے تھی۔ آغا صاحب ہر قابل ذکر آدمی کو کہتے تھے کہ بھئی یہ کام صرف اور صرف ذوالفقار علی بھٹو ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے تمام سیاسی اختلافات بالائے طاق رکھ کر اس کام کے لیے اس کی حمایت کریں۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا جائے گا' اس فیصلے کے اثرات اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیں گے اور قادیانی اپنے ہی زہر میں گھل گھل کر مر جائیں گے۔ یہ چند باتیں تو یونہی جملہ معترضہ کے طور پر آ گئیں۔ بیان ''خاندان نبوت'' میں ہونے والی جنگ اقتدار کا ہو رہا تھا۔ مرزا طاہر احمد کی جانب سے مرزا ناصر احمد سے رشتہ کو مضبوط کر لینے کے بعد اس کی لابی بہت مضبوط ہو چکی تھی اور مرزا رفیع احمد کے خلاف چھوٹی چھوٹی اور معمولی شکائتیں کر کے اس نے اپنا مقام مرزا ناصر احمد کی نظروں میں خوب بنا لیا تھا۔ اس لیے جب مرزا ناصر احمد ایک نوخیزہ دوشیزہ کو ''ام المومنین'' بنا کر راہی ملک عدم ہوئے تو مرزا طاہر احمد کی گدی نشینی میں کوئی روک باقی نہ رہی اور اس نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھال کر تمام وہ حربے اختیار کیے' جو اورنگ زیب نے اپنے والد اور بھائیوں کے خلاف استعمال کیے تھے۔ اس ماحول میں پلنے والا مرزا طاہر احمد کس قدر ٹیک اور پاکباز ہو سکتا ہے' اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے ہو سکتا ہے' کہ ربوہ میں تعلیم کے دوران ہی مجھے محمد ریاض سکنہ عالم گڑھ ضلع گجرات نے' جو اب فوج میں ہیں' ایک چوکیدار کے حوالے سے بتایا کہ میاں طاہر روزانہ نماز فجر پڑھنے کے بعد ولی اللہ شاہ سابق ناظر امور عامہ کے گھر جاتا ہے اور اس کی لڑکیوں کو سینے کے گنبدوں سے پکڑ کر اٹھاتا ہے۔ اور آخری فقرہ پنجابی میں خود چوکیدار ہی کی زبان میں صحیح مفہوم ادا کرتا ہے کہ ''اوہ حرامزادیاں وی لیریاں ہو کے پیاں رہندیاں نیں''

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قصہ یہیں تمام ہوا۔ یہ تو ایک ایسا شہر طلسمات ہے کہ اس

کا ہر حصہ طلسم ہوشربا کو بھی شرما کر رکھ دینے والا ہے۔ اور ہندی کا یہ جملہ بلاشبہ اپنے اندر بے پناہ صداقت لیے ہوئے ہے کہ ''بڑے گھرانوں کی غلطیاں بھی بہت ہی بڑی ہوتی ہیں''۔

قادیانی امت کے راہنماؤں کی بداعمالیوں کے بارے میں جب میں حق الیقین کے مرتبے پر پہنچ گیا تو میں نے دنیا بھر کے مسلمان دانشوروں کی چیدہ چیدہ کتب کا بغور مطالعہ شروع کیا کہ قادیانیوں کے اعمال کے بعد ان کے افکار ونظریات کی صحت کا بھی جائزہ لوں تو چند ہی دنوں میں قادیانی افکار ونظریات کا علمی وعقلی بودا پن بھی مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا اور خاص طور پر فلسفی شاعر علامہ ڈاکٹر اقبال کے نہرو کے نام خطوط اور تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے مطالعہ سے میرا ایمان اس بات پر چٹان کی طرح پختہ ہو گیا کہ ختم نبوت حضور ﷺ کی انٹرنیشنل فکر ہے اور اس کی علت غائی یہ ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو وحدت خداوندی اور سرکار دو عالم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے ایک نقطے پر اکٹھا کیا جائے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ اس لیے اس نے ہر شعبہ حیات میں اپنے انداز میں وحدت کا ایک سفر شروع کر رکھا ہے۔

مذاہب کی دنیا میں اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سفر کا آغاز کیا اور جب تک دنیا سفری ومواصلاتی اعتبار سے اس رنگ میں رہی کہ ہر گاؤں' ہر قریہ اور ہر بستی اپنی جگہ ایک الگ دنیا کی حیثیت رکھتی تھی تو ان لوگوں کی طرف قومی اور زمانی نبی تشریف لاتے رہے لیکن جب علم الٰہی کے مطابق حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانے میں دنیا کا سفر گلوبل ولیج کی جانب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمام سابق انبیاء کرام کی اصولی تعلیم کو قرآن کریم میں جمع کر کے اسے خاتم الکتب بنا دیا اور ان کے اوصاف اور خوبیوں کو نہایت ارفع واعلیٰ شکل میں حضور ﷺ کی ذات مبارک میں جمع کر کے انہیں خاتم النبیین کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ اس لیے جس طرح خاتم الکتب قرآن مجید کے بعد کسی دوسری کتاب کا تصور نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح خاتم النبیین کے بعد کسی دوسرے نبی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے وحدت ادیان' وحدت انبیاء' وحدت کتب' وحدت انسانیت' وحدت کائنات اور وحدت انفس و آفاق کے اس پروگرام کو ڈائنامیٹ کرنا چاہتا ہے' جو اس نے حضرت آدم سے شروع کیا اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔

ان چند سطور کی روشنی میں قادیانیوں کو خود سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کتنی گمراہ کن' کتنی خوفناک اور کتنی تباہ کن منزل کی طرف جا رہے ہیں اور اس میں مرزا غلام احمد اور اس کے نام نہاد نظریات کی حیثیت کیا ہے؟ ان نظریات کو سمٹتے اور مٹتے ہوئے ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ ان کا مٹنا اور پرچم ختم

نبوت کی سربلندی تقدیر خداوندی ہے اور اسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں روک سکتی۔ قادیانت تو ویسے ہی اب فرنگ کی متروکہ رکھیل بن کر رہ گئی ہے جس کے منہ میں دانت ہیں' نہ پیٹ میں آنت۔ اس لیے اب محض نعرے بازی اور ترقی کا پروپیگنڈا اسے زندہ نہیں رکھ سکتا۔ عملی طور پر بھی اس نے امت مسلمہ کے انتشار میں اضافہ کرنے اور مختلف مذاہب کے بانیوں کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے ان کی باہمی مناقشت کو تیز کرنے کا ''فریضہ'' ہی انجام دیا ہے۔ اس لیے ہر صحیح الفکر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ جس نام نہاد نبی نے اپنی ۸۶ سے زائد کتب میں برطانوی حکومت کے خلاف ایک لفظ تک نہیں لکھا اور محض اس کی مدح کے قصیدے ہی لکھے ہیں وہ کیا کسر صلیب کر سکتا ہے اور جلد ہی یہ بات قادیانیوں کی سمجھ میں بھی آ جائے گی اور اب مرزا طاہر احمد کو بھی اپنے دادا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''ستارہ قیصریہ'' کی طرز پر کوئی تحفہ شہزادہ چارلس کے نام سے کوئی قصیدہ مدحیہ لکھ دینا چاہیے تا کہ ''کسر صلیب'' کا جو کام مرزا غلام احمد کے ہاتھوں ناممکن رہ گیا ہے' وہ مکمل ہو جائے اور قادیانیت کے مذہبی بیگار کیمپ میں غلامی کی زندگی بسر کرنے والے جو ''ہاری'' ایک عرصہ سے یہ راگ الاپ رہے ہیں ؎

جب کبھی بھوک کی شدت کا گلہ کرتا ہوں
وہ عقیدوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہیں

ان کی اشک شوئی کا بھی شاید کوئی اہتمام ہو جائے اگرچہ یہ امکانات بہت ہی دور دراز کے ہیں کیونکہ جس امت کے نام نہاد نبی کے لیے حقیقت الوحی کے ڈیڑھ سو کے قریب ''الہامات'' میں سے سو سے اوپر صرف دس روپے کی آمد کے بارے میں ہیں' ان کی دنائت سے اچھی امید کیونکر کی جا سکتی ہے۔ ہاں البتہ یہ کام پاکستان کے انسانیت نواز حلقوں کا ہے کہ وہ اس معاملہ کو ایمنسٹی انٹرنیشنل' ایشیا واچ اور انسانی حقوق کی دوسری تنظیموں کے سامنے اٹھائیں اور قادیانیوں کے اس پروپیگنڈے کا توڑ کریں جو وہ بیرونی دنیا کے سامنے' پاکستان میں اپنے اوپر ہونے والے مصنوعی مظالم کے حوالے سے کر رہے ہیں۔''